

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : **تحقیقات ازہری**

بقلم : شہزادہ فقیہ ملت ازہار احمد امجدی مصباحی فاضل جامعہ ازہر مصر

پروف ریڈنگ : مولانا محمد معین اشرفی، مرکز تربیت افتاء، اوجھانگ (شعبہ تخصص)

صفحات : 200

قیمت :

ناشر

مکتبہ فقیہ ملت

گلی سروتے والی مکان ۴۴۲، گراؤنڈ فلور، اردو مارکیٹ ٹیما محل، جامع مسجد، دہلی ۱۱۰۰۰۶

Mob: 0993691920, 09415162692

E-mail: mfaqihemillat@gmail.com

تحقیقات ازہری

بقلم:

شہزادہ فقیہ ملت
ازہار احمد امجدی مصباحی
فاضل جامعہ ازہر مصر
(شعبہ حدیث، ایم راءے)

مکتبہ فقیہ ملت، دہلی

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

۳۵	پانچویں وجہ
۳۷	دوسرا مذہب
۳۸	حدیث موضوع کب ہوگی؟
۴۰	اگر علامت وضع نہ پائی جائے تو؟
۴۱	خلاصہ کلام
۴۲	تحقق عصر کا تعاقب
۴۴	تنبیہ اول
۴۴	تنبیہ ثانی
۴۶	فہرست مراجع
۴۷	(ب) ماہ نامہ جام نور کے ادارتی نوٹ کی تنقیح
۵۳	(ت) مشہور حدیث: ((اطلبوا العلم ولو بالصدق)) تحقیق کے آئینہ میں
۵۴	امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ سندوں کا خلاصہ
۵۵	بعض اہم نکات
۵۷	ابن حبان رحمہ اللہ کی نقد و جرح محدثین کی نظر میں
۵۸	راوی ابو عاتکہ پر کلام
۵۸	متوسطین کے اقوال
۶۰	حدیث ضعیف کی تعریف
۶۰	یضعف و ضعف و غیرہ کا معنی و مفہوم
۶۱	لیس بالقوی کا معنی و مفہوم
۶۱	منکر الحدیث کا معنی و مفہوم
۶۲	پہلی مثال
۶۳	دوسری مثال
۶۴	متشددین کے اقوال

فہرست

۱۰	شرف انتساب
۱۱	تقریظ جلیل
۱۴	تقریظ جلیل
۱۶	تاثری کلمات
۲۱	تقدیم
۲۵	(الف) حدیث ضعیف محدثین کی نظر میں ایک تجزیاتی مطالعہ
۲۷	احادیث ضعیفہ پر عمل کرنے کے متعلق مذاہب
۲۷	پہلا مذہب
۲۸	دوسرا مذہب
۲۸	تیسرا مذہب
۲۸	چوتھا مذہب
۲۸	پہلے دو مذاہب پر قدرے تفصیلی گفتگو
۲۸	پہلا مذہب
۲۸	پہلے مذہب کی فرع اول
۳۲	پہلے مذہب کی فرع ثانی
۳۳	مطلقاً شدید ضعیف نہ ہونے کی قید معتبر نہیں
۳۳	پہلی وجہ
۳۳	دوسری وجہ
۳۳	تیسری وجہ
۳۴	چوتھی وجہ

- ۱۰۰ ----- خلاصہ کلام
- ۱۰۱ ----- حدیث: ((حب الوطن)) کا حکم
- ۱۰۱ ----- حدیث پاک سے حب وطن کا ثبوت
- ۱۰۵ ----- فہرست مصادر
- ۱۰۷ ----- (ح) نماز کی حالت میں سینہ پر ہاتھ باندھنے والی روایات کا محققانہ فیصلہ
- ۱۰۹ ----- حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ
- ۱۰۹ ----- سند پر کلام
- ۱۱۱ ----- مؤمل بن اسماعیل ناقدین کی نظر میں
- ۱۱۳ ----- راوی مؤمل بن اسماعیل کا حکم
- ۱۱۴ ----- وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حکم
- ۱۱۴ ----- ابن خزیمہ اور حدیث کی تصحیح!
- ۱۱۵ ----- حدیث ابن خزیمہ کی شرط پر ہے!
- ۱۱۶ ----- صحیح ابن خزیمہ محدثین کی نظر میں
- ۱۱۷ ----- زیر بحث حدیث کی سند سے اتوی دوسری سند کا وجود!
- ۱۱۸ ----- بعض مخالفین کا مغالطہ اور اس کا جواب
- ۱۲۱ ----- اعتراض و جواب
- ۱۲۲ ----- حدیث حلب رضی اللہ عنہ
- ۱۲۲ ----- سند پر کلام
- ۱۲۴ ----- کیا ثقہ کی زیادتی مطلقاً مقبول ہے
- ۱۲۴ ----- پہلا مذہب
- ۱۲۴ ----- دوسرا مذہب
- ۱۲۵ ----- حلب رضی اللہ عنہ کی روایت کا حکم
- ۱۲۶ ----- روایت طاؤس رحمہ اللہ

- ۶۵ ----- دیس بقیۃ کا معنی و مفہوم
- ۶۷ ----- 'متروک الحدیث' کا معنی و مفہوم
- ۷۰ ----- 'ذہاب الحدیث' ضعیف الحدیث کا معنی و مفہوم
- ۷۲ ----- کیا راوی ابو عاتکہ ضعیف ہیں؟
- ۷۲ ----- پہلی وجہ
- ۷۲ ----- دوسری وجہ
- ۷۳ ----- 'ابو عاتکہ' کے علاوہ بعض دوسری سندیں
- ۷۳ ----- پہلی حدیث کی سند
- ۷۶ ----- دوسری حدیث کی سند
- ۷۶ ----- ابن الجوزی رحمہ اللہ پر تعقبات
- ۷۹ ----- محقق عصر کا تعاقب
- ۸۳ ----- خلاصہ بحث
- ۸۴ ----- فہرست مراجع
- ۸۶ ----- (ث) حدیث مشہور: ((حب الوطن من الایمان)) ایک تحقیقی جائزہ
- ۸۷ ----- حدیث مشہور کی تعریف
- ۸۷ ----- حدیث مشہور کی دو قسمیں ہیں
- ۸۷ ----- پہلی قسم
- ۸۸ ----- دوسری قسم
- ۸۹ ----- حدیث: ((حب الوطن)) کے بارے میں ناقدین کے اقوال
- ۹۰ ----- محدثین کے نزدیک 'لم اُقف علیہ' کا مفہوم
- ۹۳ ----- محدثین کے نزدیک 'لا اصل لہ' کا معنی
- ۹۶ ----- 'موضوع' و دیس بقیۃ کا مفہوم
- ۹۷ ----- حدیث: ((حب الوطن)) کا معنی صحیح کہنے والوں کا رد

- ۱۴۶ ----- حدیث عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ
- ۱۴۶ ----- سند پر کلام
- ۱۴۶ ----- حکم روایت
- ۱۴۷ ----- حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا
- ۱۴۷ ----- سند پر کلام
- ۱۴۷ ----- حکم روایت
- ۱۴۸ ----- حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما
- ۱۴۹ ----- سند پر کلام
- ۱۴۹ ----- حکم روایت
- ۱۵۲ ----- حدیث ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ
- ۱۵۲ ----- سند پر کلام
- ۱۵۳ ----- حکم روایت
- ۱۵۳ ----- حدیث سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ
- ۱۵۳ ----- سند پر کلام
- ۱۵۳ ----- حکم روایت
- ۱۵۳ ----- حدیث عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
- ۱۵۳ ----- سند پر کلام
- ۱۵۳ ----- حکم روایت
- ۱۵۵ ----- حدیث: ((ما بین قبری)) و حدیث: ((ما بین بیٹی)) کے درمیان تطبیق
- ۱۵۵ ----- پہلی توجیہ
- ۱۵۸ ----- دوسری توجیہ
- ۱۵۹ ----- فضل ربی!
- ۱۵۹ ----- تیسری توجیہ

- ۱۲۷ ----- سند پر کلام
- ۱۲۸ ----- طاؤس رحمہ اللہ کی روایت کا حکم
- ۱۲۸ ----- زیر بحث مسئلہ میں ابن قیم کی رائے
- ۱۲۹ ----- خلاصہ بحث
- ۱۲۹ ----- وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لئے شاہد پھر بھی قابل احتجاج نہیں!
- ۱۲۹ ----- پہلی وجہ
- ۱۲۹ ----- دوسری وجہ
- ۱۳۰ ----- تیسری وجہ
- ۱۳۲ ----- فہرست مراجع
- ۱۳۵ ----- (ح) حدیث: ((ما بین قبری و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ)) کی تحقیق اینق
- ۱۳۷ ----- حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ
- ۱۳۷ ----- سند پر کلام
- ۱۳۸ ----- حکم روایت
- ۱۳۸ ----- فائدہ
- ۱۴۰ ----- حدیث علی بن ابی طالب و ابی ہریرہ رضی اللہ عنہما
- ۱۴۱ ----- سند پر کلام
- ۱۴۱ ----- حکم روایت
- ۱۴۲ ----- حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ
- ۱۴۲ ----- سند پر کلام
- ۱۴۳ ----- حکم روایت
- ۱۴۵ ----- حدیث ابن زبیر رضی اللہ عنہ
- ۱۴۵ ----- سند پر کلام
- ۱۴۶ ----- حکم روایت

شرف انتساب

نہایت ہی خلوص و احترام کے ساتھ میں اپنی اس چھوٹی سی تحقیقی کاوش کا انتساب اپنے والد ماجد صاحب تصانیف کثیرہ حضور فقیہ ملت الحاج الشاہ مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی رحمہ اللہ تعالیٰ، اور اپنی والدہ محترمہ حسیب النساء اطال اللہ عمرہا کے نام کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں؛ جن کی خوشگوار تربیتی اور علمی فضا میں رہ کر مجھ میں پڑھنے لکھنے اور اس پر عمل کرنے کا شعور بیدار ہوا،

(اور

اپنے ان مخلصین و مرہبین بالخصوص جامعہ ازہر مصر کے اساتذہ کرام، فقہاء و محدثین عظام غفرلہم کے نام جن کی تحقیقات و تدقیقات، دعاؤں، عنایتوں اور زریں تربیت میں رہ کر حدیث اور علوم حدیث میں ایک حد تک گہرائی اور گیرائی سے پڑھنے اور لکھنے کا شعور بے دار ہوا، فقیر اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہے کہ تاحیات اس شعور کو بے دار رکھے، اور اس شعور و آگہی کے نتیجہ میں آنے والی تحقیقات کو شرف قبولیت سے نوازے، آمین۔

گر قبول افتدز ہے عز و شرف

فقیر:

ازہار احمد امجدی مصباحی غفرلہ

فاضل جامعہ ازہر، مصر

- ۱۶۰----- (ما بین قبری)) والی روایت کو غلط قرار دینے والے ابن تیمیہ کا رد
- ۱۶۱----- فضل ربی!
- ۱۶۲----- خلاصہ کلام
- ۱۶۲----- فائدہ
- ۱۶۴----- فہرست مصادر
- ۱۶۸----- (خ) مضمون 'بابارتن ہندی بحیثیت صحابی رسول' آخری قسط کا منصفانہ جائزہ
- ۱۷۰----- مقالہ نگار کی دلائل کا علمی جائزہ
- ۱۷۱----- پہلی دلیل
- ۱۷۱----- پہلا نکتہ
- ۱۷۶----- دوسرا نکتہ
- ۱۷۹----- تیسرا نکتہ
- ۱۸۳----- دوسری دلیل
- ۱۸۴----- تیسری دلیل
- ۱۸۶----- چوتھی دلیل
- ۱۸۷----- اولاً
- ۱۸۷----- ثانیاً
- ۱۸۸----- پانچویں دلیل
- ۱۸۹----- حدیث عمر الامتہ کا صحیح مفہوم محدثین کرام کی نظر میں
- ۱۹۴----- کیا بابارتن ہندی صحابی ہیں؟
- ۱۹۵----- کچھ چیزیں تنقح طلب ہیں!
- ۱۹۵----- نوٹ
- ۱۹۷----- فہرست مراجع
- ۱۹۹----- مؤلف ایک نظر میں

(۶) مضمون: 'بابارتن ہندی، بحیثیت صحابی رسول' کا منصفانہ جائزہ۔
موصوف نے ان مقالات میں، فن حدیث و اصول حدیث کے قواعد و ضوابط مقررہ و محررہ کی روشنی میں متعدد دلائل قائم کیے ہیں، جس سے موصوف کے مطالعہ کی وسعت اور دقت نظری کا پتہ چلتا ہے، ہر مقالے کے آخر میں ان کے مصادر و مراجع کی فہرست بھی ملتی کر دی ہے، جن کتب کی عبارات سے استدلال و احتجاج کیا گیا ہے، عام طور سے جو کتب علما میں معروف ہیں، ان کے ماسوا بعض جدید کتب بھی ماخذ کی حیثیت سے پیش کی گئیں ہیں، جس سے جدید اسلوب تحقیق کا زریں گوشہ سامنے آتا ہے، اور قارئین کو الجھن سے نجات مل جاتی ہے۔

لوگوں میں بعض مشہور حدیث مثلاً: ((حب الوطن من الایمان)) اور بابا رتن ہندی کی صحابیت وغیرہ پر فنی اور اصولی انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے، اور علما کے اصول تحقیق اور قواعد تنقیح کی پوری پوری وضاحت و رعایت کی گئی ہے، فی الجملہ میں نے مذکورہ مضامین کو متعدد مقامات سے ملاحظہ کیا، اسے عوام و خواص، خصوصاً طلبہ علم حدیث کے لیے بہت مفید اور نافع پایا، جماعت اہل سنت کو ایسے افراد کی سخت ضرورت ہے جو فن حدیث کے اسرار و رموز سے اس طرح واقف ہوں تاکہ غیر مقلدین اور وہابیہ کے منہج تحقیق حدیث کی دسیسہ کاری کو خوب خوب اجاگر کر سکیں، موصوف نے بعض معروف محققین جیسے صاحب عون المعبود و صاحب تحفۃ الاحوذی و بدایونی تحقیقات پر تعقبات کے ذریعہ ایک اچھا منہاج فراہم کیا ہے، اور دامن اعتدال کو تھامے رکھا ہے۔

عجالت کے باعث میں تفصیلی تبصرہ نہ کر سکا جس کا مجھے قلق ہے، اگر موصوف کی طرف سے لمبا وقت مجھے ملا ہوتا تو میں موصوف کی فطری ذکاوت، علمائے اہل سنت اور محدثین عظام کی دقیقہ سنجی اور دور اندیشی کو دلائل و براہین کے ذریعہ

تقریظ جمیل

استاذ محترم حضرت علامہ مولانا عبدالرحمن رضوی دام ظلہ العالی
شیخ الحدیث: جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، منو
بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد!

زیر نظر تحریر بنام "تحقیقات ازہری" مولانا ازہار احمد امجدی ابن فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جسے موصوف نے اپنے دوران قیام جامعہ ازہر شریف مصر تحریر کیا، اور ہندوستان کے مشہور ماہناموں میں چھپوایا، مندرجہ ذیل ۶۷ عنوانین تقریباً ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ایک علمی کتابچہ ہے جسے افادہ عام کے لیے یکجا مطبوع کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔
اس مجموعہ مقالات کی اشاعت کے موقع پر موصوف گرامی کی خواہش ہوئی کہ میں اس پر کچھ تاثرات تحریر کر دوں، قلت وقت اور کثرت مشاغل کے باعث یہ چند سطریں ارتجالاً معرض تحریر میں آئیں:

مولانا نے جن موضوعات پر تفصیلی گفتگو کی ہے، وہ یہ ہیں:

(۱) محدثین کی نظر میں حدیث ضعیف ایک تجزیاتی مطالعہ (۲) ((اطلبوا العلم ولو بالصدین)) تحقیق کے آئینہ میں (۳) ((حب الوطن من الایمان)) کے حدیث ہونے نہ ہونے کی بحث (۴) حالت نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے والی روایات کی تحقیق (۵) ما بین قبری و منبری روضۃ من ریاض الحجۃ کی تحقیق اینق

تقریظ جلیل

جامع معقولات و منقولات علامہ مفتی شبیر حسن رضوی دام ظلہ العالی

استاذ: الجامعۃ الاسلامیہ روناہی، فیض آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

اما بعد!

زیر نظر کتاب ”تحقیقات ازہری“ چند مقالات کا مجموعہ ہے، جس میں حضور فقہ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کے صاحبزادے محترم مولانا ازہار احمد امجدی ازہری سلمہ المولی القوی بعض احادیث پر علمی و فنی گفتگو کی ہے، اور حدیث کی تخریج کر کے اس کے متعدد طرق کا تحقیقی تجزیہ کیا ہے، ساتھ ہی روایہ حدیث پر جرح و تعدیل و توثیق و تضعیف کی حیثیت سے بھی کلام کیا ہے، اور اقوال متعارضہ کے مابین جمع و توفیق بہت اچھے اور حسین انداز میں کیا ہے، اس کتاب میں اصول حدیث کے جواہر پارے جا بجا دیکھنے کو ملتے ہیں، طبقات معدلین و جارحین کے جلوے بھی نظر آتے ہیں۔

محبت موصوف کی یہ کاوش لائق تحسین و مبارک باد ہے، اس سے موصوف سلمہ کا حدیث، اصول حدیث، اسماء الرجال، جرح و تعدیل، اور تخریج حدیث کے باب میں قلبی لگاؤ اور ان کی دلچسپی اجاگر ہوتی ہے، اس رضوی فقیر کی اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اپنے حبیب پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ و طفیل محبت گرامی کی اس جدوجہد و سعی و کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے، اور

اچھی طرح واضح کر دیتا، بہر حال موصوف گرامی ”الولد سرلابیہ“ کے مطابق مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ کے لائق و فائق خلف الرشید ہونے کے مکمل مستحق ہیں۔

موصوف کی ابتدائی تعلیم جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی میں ہوئی ہے، دوران طالب علم بہت کریم الاخلاق اور محنتی اور پابند صوم و صلوة طلبہ میں شمار ہوتے تھے، اور عصر حاضر کے اکثر طلبہ سے ان کی بود و باش الگ تھی، لیکن جامعہ ازہر سے تعلیمی سلسلہ قائم ہونے کے بعد موصوف کے جوہر پوری طرح آشکارہ ہو گئے، دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ موصوف کو محدثین کی صف میں ترقیات کی منازل سے نوازے، اور فن حدیث میں ان کی تحقیقات سے ہم سب روشناس ہوتے رہیں، اللہ عز و جل موصوف کے علم و عمل میں بے پناہ برکتیں عطا فرمائے، اور ان کی کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے۔

اس دعا ازمن، واز جملہ جہاں آمین باد

خاکسار:

عبدالرحمن رضوی انصاری

سینئر استاذ: جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، منو

تاثری کلمات

حضرت علامہ ومولانا کوثر امام دام ظلہ العالی
استاذ: دارالعلوم قدوسیہ فخرالعلوم پرسونی بازار، مہراج گنج
بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

رب تبارک و تعالیٰ کی جانب سے بندوں کے لئے جو پیغام آئے اور جنہیں عملی جامہ پہنانے کا حکم فرمایا گیا، ان کے مصادر اصلیہ کتاب و سنت ہیں جن کی حفاظت و صیانت کے لئے جدوجہد اور انہیں داخلی و خارجی آلائشوں سے محفوظ رکھنے کے لئے جتن کرنا امت مسلمہ کی بہت بڑی ذمہ داری تھی جسے پورا کرنا بغیر توفیق الہی ممکن نہ تھا، مالک حقیقی نے محض اپنے فضل سے ایک طرف قرآن کے تحفظ کو اپنے کرم کے سپرد کیا؛ تو دوسری طرف احادیث نبویہ کی محافظت کا جوش جنوں اپنے مخصوص بندوں کو عطا کیا جنہوں نے نت نئے طریقے ایجاد کر کے کچھ ایسی صورتیں تشکیل دیدیں کہ ہمیشہ کے لئے ذخیرہ احادیث کلام غیر سے مامون ہو گیا۔ فن حدیث میں جتنے بھی شعبہ قائم ہوئے اور جتنے بھی ضوابط و قواعد وضع ہوئے سب کا تعلق صرف دو چیزوں سے ہے، ایک کلمات احادیث، دوسرے ناقل حدیث، باحث کی نگاہ انہیں دونوں چیزوں پر مرکوز رہتی ہے جبکہ دونوں میں خصوصی توجہ کا حامل ناقل حدیث ہے جسے رجال حدیث یا رواۃ حدیث سے تعبیر کرتے ہیں، اور نقد رجال و رواۃ کے تعلق سے جو بحثیں معرض وجود میں آئیں انہیں فن جرح و تعدیل کا نام دیا جاتا ہے۔

حضور فقیہ ملت علیہ الرحمہ کے نقوش قدم اور مسلک امام عشق و محبت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قائم رکھتے ہوئے، ان کے علم و عمل میں مزید برکتیں عطا فرمائے، اور زیادہ سے زیادہ خدمات دینیہ کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے، آمین بجاہ حبیبہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین و من تبعہم باحسان الی یوم الدین۔

فقط دعا گو و دعا جو:

شبیر حسن رضوی

خادم: الجامعۃ الاسلامیہ روناہی

فیض آباد، یو، پی۔

شاء اللہ جاری رہے گا، اسی سلسلہ کی ایک حسین کڑی یا ان ہی بزرگوں کے نقش پا کی پر خلوص پیروی پیش نظر مجموعہ مضامین ہے جن میں چند اہم اور پیچیدہ بحثوں کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ قارئین کے ذہن و فکر میں اتارنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ہر چند کہ ان موضوعات پر کافی کچھ لکھا گیا ہے اور ہر جہت کے تحقیقی و تنقیدی بحث کی گئی ہے؛ لیکن وہ سارے علمی مواد و مباحث عربی ذخیرہ میں ہونے کے سبب کم از کم عام اردو قارئین کے دسترس سے ماورا ہیں، اللہ تعالیٰ شاد کام فرمائے ان فیروز مندوں کو جنہوں نے علوم حدیث کے گرانقدر و انمول سرمایہ کو اردو زبان میں نہ صرف یہ کہ منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے، بلکہ نئے نئے ایسے عناوین پر بھی تحقیق و تفتیش کر رہے ہیں جنکی طرف علمائے عرب نے یا تو توجہ نہ کی تھی یا تحقیق کے دوران موضوع کے ساتھ انصاف نہ کیا تھا۔

آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس کے بارے میں کیا کہنا! جو حال خطابت کا ہے تقریباً وہی صورتحال مضمون نگاری میں بھی ہے، خطیب آزاد ہے جو چاہے بولے کوئی روکنے والا نہیں، یونہی قلم کار جو چاہے لکھے اور رسائل و جرائد کے ذریعہ عوام تک پہنچادے، اس کے ذریعہ قوم کا مزاج فساد کا شکار ہو، انتشار فکری کا ماحول برپا ہو یا مثبت نتائج برآمد ہوں، کوئی پرواہ نہیں اور نہ ہی کوئی منع کرنے والا ہے؛ بلکہ ایسے ہی لوگوں کو واہ واہی کی دولت بھی ملتی ہے جو تقریر و تحریر کے ذریعہ ہنگامہ برپا کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔

جلسہ جلوس کی ہمہ ہی، تقریر و خطاب کی پذیرائی، بیعت و خلافت کی جلوہ گری، نذر و نیاز کی گرم بازاری کی دنیا میں ہر چہاں جانب سے آنکھیں موند کر، سہل پسندی کو بالائے طاق رکھ کے، قراط و قلم کو گلے لگانا، تحقیقی تصنیف و تالیف میں منہمک ہونا اپنے نفس سے جہاد کے مترادف ہے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہوں

ابتدائی عہد میں یہ فن صرف زبانی طور پر رائج تھا، تیسری صدی ہجری میں کتابیں تیار ہونا شروع ہوئیں اور چوتھی صدی کے اختتام تک نقد رجال کے مطلوبہ سارے مواد جمع ہو گئے، اس کے بعد جدید کاوش کی کوئی صورت باقی نہ رہ سکی، پانچویں صدی ہجری سے جو کام شروع ہوا وہ یہ کہ کچھلی تحریروں اور جمع شدہ معلومات کی ترتیب، تدوین، تہذیب استدراک کا کام تھا، اس سلسلے میں اپنے اپنے ذوق اور جداگانہ اسلوب میں کام کرنے والے کرتے رہے اور حدیث و رجال حدیث کے متعلق اس قدر وافر ذخیرہ تیار ہو گیا کہ کسی بھی سند و حدیث کی تحقیق بہت حد تک آسان ہو گئی؛ مگر اس آسانی کے باوجود کسی حدیث پر صحت و ضعف لگانا جس قدر دشوار ترین مرحلہ ہے اس کا ادراک ان لوگوں کو خوب ہے جو اس فن سے دلچسپی رکھتے ہیں۔

اسی دشواری کے باعث بعض محدثین نے اس بات کو ترجیح دی کہ علمائے متقدمین ہی کے لائق تھا کہ وہ حدیث پر صحت و ضعف کا حکم لگائیں، دوسروں کو اس کی اجازت نہیں؛ جبکہ علمائے متاخرین کے طرز تحریر اور تحقیقی عمل سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی خاص طبقہ کے علما کے ساتھ منحصر نہیں ہے بلکہ جو بھی اس فن میں درجہ کمال کو پہنچا ہے اسے اس کی اجازت ہے۔

چنانچہ امام زبیلی حنفی، حافظ ابن حجر عسقلانی، امام عینی حنفی، علامہ سخاوی، علامہ سیوطی، ملا علی قاری، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، علامہ طاہر فتی، امام صفانی اور امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ عنہم نے کتنی احادیث و آثار پر صحت و ضعف اور موضوع و حسن ہونے کا حکم لگایا ہے، یہ اور بات ہے کہ ان کے لگائے ہوئے بعض حکم پر دوسروں نے تنقید بھی کی ہے بہر صورت وہ دونوں اجر کے مستحق ہیں۔

مختصر یہ کہ تحقیق حدیث و نقد رجال کا سلسلہ کل بھی تھا آج بھی ہے اور ان

لیکن پیچیدگی اس وجہ سے پیدا ہوگئی کہ انہوں نے ایک طرف اصول و ضوابط کا لحاظ نہ کیا؛ تو دوسری طرف موافق دلیلوں کو قبول اور مخالف دلیلوں سے اغماض نظر کر لیا۔

یہاں مولانا ازہری امجدی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے دونوں قسم کے دلیلوں کو پیش کر کے ان پر بحث کی ہے، اور صاف ستھرا موقف واضح کر دیا ہے۔

بابا رتن ہندی کی صحابیت ثابت نہیں، خواہ مخواہ انہیں زمرہ صحابہ میں شامل کرنے کی کوشش کرنا غیر مناسب عمل ہے، موصوف محقق نے اس عنوان پر بڑی اچھی تحقیق کر کے مسئلہ کو بے غبار کر دیا ہے، اسی طرح ((حب الوطن من الایمان)) کے موضوع ہونے کو واشگاف فرمایا جبکہ سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث پر جس طرح وسیع پیمانہ پر تخریج و تحقیق فرمائی ہے کہ پڑھ کر طبیعت باغ باغ ہو جائے۔

بلاشبہ موصوف کے انداز بحث کی اہم خوبی یہ ہے کہ نصوص و شواہد بکثرت اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ قاری چند سطور کے بعد ہی از خود نتیجہ تک پہنچ جائے، اور اس کا ضمیر وہی کہ اٹھے جو آئندہ اختتام بحث میں باحث کہنا چاہتا ہے، یہ فن حدیث پر مضبوط گرفت، نقد رجال میں تبحر اور اصول و ضوابط پر درک و کمال کا ثمرہ ہے۔

راقم الحروف زیر نظر کتاب پر صرف تاثرات کے چند جملے لکھنا چاہ رہا تھا لیکن بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، اس کے لئے معذرت کا خواستگار ہے، اور رب کریم کی بارگاہ میں دست بدعا ہے کہ پروردگار محقق موصوف کو مذہب حقہ، و مسلک اعلیٰ حضرت کی زیادہ سے زیادہ ترویج و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وبارک وسلم۔

احقر الانام کوثر امام قادری

خادم دارالعلوم قدوسیہ فخر العلوم پرسونی بازار مہراج گنج یوپی

۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ

نے ایسے میدان کا انتخاب کیا جس میں کامرانی کی منزلوں سے ہمکنار ہونے کے بعد بھی کوئی مبارکبادی کے چند بول کہنے والا نہیں ملتا؛ اگرچہ تاریخ کے باب میں اپنا روشن مقام بنا چکے ہوتے ہیں!

ایسے ہی لوگوں میں فقیہ ملت علیہ الرحمہ کے صاحبزادے حضرت مولانا ازہار احمد امجدی ازہری ہیں جن کی مشکل پسند طبیعت نے خدمت حدیث کو اپنا دائرہ عمل منتخب کیا، اور اپنی وسعت مطالعہ، ژرف نگاہی، دقت نظری کے گل بوٹے سجا کر مطالعہ کے میز پر ایک حسین گلدستہ بنام ”تحقیقات ازہری“ پیش کیا ہے۔

محقق موصوف نے ناچیز کو بھرپور اجازت دی تھی کہ آپ اس پر کھل کر تنقید کر سکتے ہیں، یہ ان کی صرف وسعت نظری اور ذہنی قلبی کشادگی ہی نہیں بلکہ اپنے موقف کی تائید میں دلائل کی پختگی اور استدلال و استشہاد کے استحکام پر کامل یقین کی واضح نشانی و بین ثبوت ہے، اور کیوں نہ ہو کہ وہ تو اپنے والد گرامی حضور فقیہ ملت اور سیدی سرکار اعلیٰ حضرت یعنی علمائے اہل سنت کے مسلم نظریات کو اپنے ازہری مطالعہ اور عربوں کے منہج تحقیق کے پیرایہ میں پیش کیا ہے۔

راقم الحروف نے پیش نظر کتاب کا بنظر غائر تو نہیں لیکن کافی حد تک مطالعہ کیا، خوب سے خوب تر پایا، محقق موصوف نے بڑی عرق ریزی کی ہے، اور تحقیق میں انصاف اور علمی امانت داری کا بھرپور لحاظ کیا رکھا ہے، جو لوگ فن حدیث کی کتابیں مطالعہ کرتے ہیں وہ آشنا ہیں کہ اس میں ہر طرح کی چیزیں بافراط موجود ہیں، اب انتخاب کرنے والے کے اوپر ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے، اور کس قسم کا خیال لے کر مواد حاصل کر کے اپنے موقف کو پیش کرنے کا خواہشمند ہے؛ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے بابا رتن ہندی کو صحابی رسول ثابت کرنے کی کوشش یا ضعیف و موضوع روایات پر گفتگو کی تھی، ایسا نہیں کہ وہ نادان تھے یا ان کے موقف کی تائید میں دلیل نہ تھی؛ بلکہ وہ صاحب علم تھے اور انہیں عربی ماخذ سے اپنے منشا کے مطابق دلائل دستیاب تھے

حد تک لکھنے کا شعور بے دار ہوا، اور کچھ مقالے معرض وجود میں آئے، اس میں سب سے زیادہ اہمیت کا حامل مضمون بنام: ”اشرف العلماء: جامع صفات و کمالات قرآن و حدیث کی روشنی میں“ ہے، اس مضمون کی پذیرائی اور میری حوصلہ افزائی اس طور سے ہوئی کہ اسے اشرف العلماء نمبر میں جگہ دی گئی، اللہ تعالیٰ حبیب من کو دنیا و آخرت میں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم، برادر اکبر حضرت علامہ مولانا انوار احمد قادری دام ظلہ کی کوشش، اساتذہ، اقربا، اور احباب کی دعا سے جامعہ ازہر مصر کی سرزمین پر پہنچنے کا شرف حاصل ہوا، وہاں تعلیمی مشغولیت کی وجہ سے تین سال تک کوئی تحریر وجود میں نہ آسکی، اور ایک بار پھر تحریری و تحقیقی مقالہ پیش کرنے میں کش مکش کا شکار ہو گیا، جامعہ ازہر مصر کی سرزمین پر اسی کش مکش میں تھا کہ مضمون: ”بابا رتن ہندی بحیثیت صحابی رسول“ نظر نواز ہوا، میں نے اس کے مشمولات کو محدثین و ناقدین کی رائے کے خلاف پایا، جس کی وجہ سے میں نے اس کے علمی رد میں بعض مواد جمع کیے، اور محبت گرامی و قار مولانا حامد حسین مصباحی ازہری سلمہ اللہ کو دکھایا، انہوں نے میری اس کاوش کو خوب سراہا، اور خوب حوصلہ افزائی فرمائی، گویا کہ انہوں نے زبان حال سے کہنا چاہا کہ خائف ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ:

گرتے ہیں شہ سوار ہی میدان جنگ میں
وہ طفل کیا گرے جو گھٹنوں کے بل چلے

پھر میں نے ان کی اس حوصلہ افزائی کی بدولت اس مقالہ کی تکمیل کر کے ماہنامہ ’کنز الایمان‘ کے حوالے کیا، مضمون بجز اللہ شائع ہوا، اس مضمون کی کافی پذیرائی ہوئی، اور اس طرح حدیث اور علوم حدیث پر تحریری کوششوں کا ایک سلسلہ چل پڑا، جس کی وجہ سے جامعہ ازہر شریف میں لکھے گئے انہیں بعض تحقیقی مقالات کا

تقدیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات و الصلوة و
السلام على سيد الانام و على آله و صحبه و من
تبعهم باحسان الى آخر الايام.

اما بعد!

ہر محقق و محرر پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ تحقیقی تحریر وجود میں لانا کوئی معمولی بات نہیں، اس اہم امر کے لئے وسعت مطالعہ، جہد و مشقت، صبر و تحمل اور پرسکون ماحول مطلوب ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ میں ابتدا میں مضمون نگاری سے کسی حد تک خائف رہتا تھا، کبھی محسوس ہوتا کہ الحمد للہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور کا پرسکون ماحول ہے، میرے اندر جہد و مشقت اور صبر و تحمل کی صفت بھی کسی حد تک موجود ہے، جس کے سہارے کچھ تحریر صفحہ قرطاس کے حوالے کر سکتا ہوں، مگر ذہن پر ایک بات دستک دیتی کہ تحقیقی تحریر قرطاس کے حوالے کرنا گویا کہ اس کو تھالی میں پھول کی طرح سجا کر پیش کرنا ہے، نہ جانے کتنے محققین و ناقدین کی نظر سے گزرے گی، تو کسی حد تک ڈر سا پیدا ہو جاتا، ساتھ ہی قلت مطالعہ بھی دامن گیر ہوتی، اسی کش مکش کے عالم میں جامعہ اشرفیہ مبارکپور کی سرزمین پر اس شوق کا اظہار میں نے اپنے عزیز دوست محترم مفتی کہف الوری مصباحی سلمہ اللہ سے کیا، آپ نے میری حوصلہ افزائی فرمائی، اور دوستی کا پورا حق ادا کرتے ہوئے، گاہے بگاہے میرے مختصر مضامین پر نظر ثانی کرتے، اور اصلاح بھی فرماتے رہتے، جس کی وجہ سے کافی

شکریہ نہ ادا کروں، جنہوں نے زیر نظر کتاب کو اپنی عظیم تقریظات و تاثرات سے مزین کر کے اس کتاب کی اہمیت کو دوبالا کر دیا، اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں اس ناچیز کے حق میں قبول فرمائے، نیز اللہ ہمیں اور امت مسلمہ کو ان کے فیوض و برکات سے نوازے، اور صحت و سلامتی کے ساتھ ان کا سایہ ہم پر تادیر قائم و دائم رکھے، آمین۔

نیز میں عالیجناب سیٹھ غلام ربانی سر مہیا، بستی کا بے حد شاکر ممنون ہوں جنہوں نے اس دور جلسہ و جلوس کی ہمہ ہی میں مالی تعاون پیش کر کے کتاب: ”تحقیقات ازہری“ جیسی تحریری اور عمدہ کاوش کو منظر عام پر لانے کی اہم ذمہ داری قبول کی، رب قدر اس پر خلوص عمل کے بدلے ان کی تجارت میں دن دوئی رات چوگنی ترقی دے، انہیں اور ان کے اہل و عیال کو دارین میں سرخ روئی عطا فرمائے، نیز اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ مزید انہیں اور دیگر اہل ثروت حضرات کو اسی طرح دینی کتابوں کی نشر و اشاعت - جو دور حاضر کا اہم ترین تقاضہ ہے - میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق رفیق عطا فرمائے، آمین۔

اخیر اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور ہمارے تمام مخلصین و محبین کو صحت و عافیت کے ساتھ لمبی عمر، اور دین متین کی اخلاص کے ساتھ زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے، اور آپسی ذاتی اختلافات سے محفوظ رکھے، نیز اس کتاب کو عامۃ المسلمین کے درمیان درجہ قبولیت عطا فرما کر اتباع حق کی توفیق دے، نیز میرے اور میرے والدین کریمین، اساتذہ، بھائی ان کی زوجہ، بہن ان کے شوہر، اور دیگر اعزا و اقربا کے لئے آخرت میں ذریعہ نجات بنائے، آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

فقیر:

ازہار احمد امجدی ازہری غفرلہ

فاضل جامعہ ازہر، مصر

مجموعہ بنام: ”تحقیقات ازہری“ آپ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ عز و جل محبت گرامی و قار کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

قارئین کرام! یہ مجموعہ حدیث و علوم حدیث کے مختلف چھ تحقیقی مقالات پر مشتمل ہے، تحقیق کے ساتھ ان شاء اللہ قارئین کرام کو دور قدیم و دور حاضر کے بعض محققین کے رد و شبہات کا ازالہ بھی ملے گا، سارے مقالات ان شاء اللہ قارئین کے لئے کافی مفید ثابت ہونگے، ساتھ ہی طالبان علوم نبویہ کو ان مقالات کے ذریعہ تحقیقی اسلوب سے آگاہی ہوگی، اور اعداد فہرست مراجع کی ترتیب جدید سے آشنا ہونگے، میں نے ہر ایک مقالہ میں موضوع کا پورا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے، پھر بھی اگر قارئین کرام کو کوئی خطا ملے تو ازراہ کرم ضرور آگاہ فرمائیں، ان شاء اللہ اگلی طباعت میں اس کی اصلاح یا اضافہ کر دیا جائے گا۔

ہدیہ تشکر:

سب سے پہلے میں اپنے برادر بزرگوار، کرم فرماں حضرت مولانا انوار احمد امجدی قادری دام ظلہ سربراہ اعلیٰ مدرسہ امجدیہ اہل سنت ارشد العلوم اور جھانگ بستی کا بے حد شاکر و ممنون ہوں جنہوں نے میرے تعلیمی سفر کی تکمیل میں ایک اہم رہبر کی حیثیت سے مکمل سرپرستی فرمائی، اور میں اپنے برادر محترم حضرت مولانا ابرار احمد امجدی مصباحی مدظلہ مفتی و ناظم مدرسہ امجدیہ اہل سنت ارشد العلوم کا بھی شکر گزار ہوں کہ جن کی کرم نوازی میرے تعلیمی سفر میں ہر جگہ ساتھ رہی، اللہ انہیں اجر جزیل عطا فرمائے، آمین۔

اور اس موقع پر بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں جامع معقولات و منقولات حضرت علامہ مولانا مفتی شبیر احمد استاذ: الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، اپنے استاذ محترم حضرت علامہ مولانا عبدالرحمن مصباحی شیخ الحدیث: جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، اور حضرت علامہ مولانا کوثر امام قادری استاذ: دارالعلوم قدوسیہ مہراج گنج دام ظلہم کا

ترغیب و ترہیب کے باب میں ان احادیث کو قبول کیا جائے گا، اسی کے پیش نظر بڑے بڑے نقاد و حفاظ نے ان ابواب میں ضعف سے بھی حدیثیں قبول کیں، اور یہ آج کی پیداوار نہیں، اس بات کو تو خیر القرون کے بڑے بڑے علمائے حدیث نے بھی تسلیم کیا ہے، چنانچہ دوسری صدی کے امام و حافظ سفیان بن سعید ثوری (ت ۱۶۱) عبداللہ بن مبارک (ت ۱۸۱) سفیان ابن عیینہ (ت ۱۹۸) اور دوسری، تیسری صدی کے امیر المؤمنین فی الحدیث یحییٰ بن معین (ت ۲۳۳) رحمہم اللہ اسی فکر کے علمبردار تھے، اور یہی فکر صحیح بھی ہے۔ مگر ناصر الدین البانی، اور اس کے جیسے بعض متاخرین کو یہ صحیح فکر اس نہ آئی، اور احادیث ضعیفہ کو اپنے تشدد و تعنت کا شکار بنایا، اور بہت ساری ضعیف حدیثوں کو موضوع قرار دیدیا، جو یقیناً خطا اور بے جا تعنت کے سوا کچھ نہیں۔ دور حاضر میں بھی بعض علما کو اس تشدد کی ہوا لگ گئی اور وہ ضعیف و منکر پر فضائل کے باب میں عمل کرنے سے منع کرنے لگے، جن کی فکر البانی، کے تشدد و تشدد سے خفیف ضرور ہے مگر اس تعنت کے لوا کا حامل ضرور ہے۔ اسی لئے میں یہاں پر احادیث ضعیفہ پر فضائل کے باب میں عمل کرنے کے تعلق سے محدثین کے مذاہب، اور اس کی ایک خاص قسم 'حدیث موضوع' کو شرح و بسط اور نقد کے ساتھ بیان کرنے کے بعد خلاصہ کلام ذکر کروں گا، تاکہ شواہد و براہین کی بنیاد پر تردد و مذہب کے دلدل میں پھنسے حضرات یقین و اطمینان کے گہوارے میں پناہ حاصل کر سکیں، اور ایسے امر سے دست برداری کی کوشش نہ کریں جس پر عمل کرنا محدثین کرام و فقہائے عظام کا اجماعی مسئلہ ہے، یا کم از کم جمہور اس پر عمل کرنے کے قائل ہیں، اور اہل ہوش و خرد، اصحاب حل و عقد اور دیگر حضرات انہیں دلائل کی بنیاد پر یہ فیصلہ کر سکیں کہ احادیث ضعیفہ اور کثرت خطا وغیرہ کی وجہ سے شدید ضعیف حدیثوں پر عمل کرنا غلط ہے یا صحیح، اور یہ طے کر سکیں کہ حدیث موضوع کب ہوگی۔ پہلے احادیث ضعیفہ قبول کر

حدیث ضعیفہ

محدثین کی نظر میں

ایک تجزیاتی مطالعہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر دین و مذہب کا کوئی نا کوئی مصدر ہوا کرتا ہے، جس کا پیروکار اپنے تمام تر امور و معاملات میں اس مصدر کی اتباع کرتا ہے، اسی طرح دین اسلام کے بھی مصادر ہیں، جس کا تتبع انہیں مصادر کی طرف اپنے روزمرہ مسائل کے حل کے لئے رجوع کرتا ہے، اور یہ مصادر چار ہیں: قرآن کریم، احادیث نبویہ، اجماع اور قیاس۔ مصدر ثانی احادیث نبویہ بھی قرآن کریم کی طرح بڑی اہمیت کی حامل ہے، ان احادیث نبویہ کے بغیر قرآن کریم کا پورے طور سے سمجھنا بہت مشکل ہے، اسی وجہ سے اللہ جل شانہ نے جس طرح مصدر اول قرآن کریم کو تغیر و تحریف سے اپنے حفظ و امان میں رکھا، مصدر ثانی احادیث نبویہ کو بھی دسیسہ کاریوں سے محفوظ و مامون فرمایا، اور اس کی حفاظت کے لئے ایسے ایسے علمائے حدیث، حفاظ اور نقاد پیدا کئے، جنہوں نے احادیث مبارکہ کو وضاعین و کذاہین کے ناپاک عزائم سے مامون رکھنے کے لئے ہر ممکنہ کوشش کی، ہر غالی و رخیص ان کی حفاظت کے لئے خرچ کئے، ان کو قبول کرنے اور نہ کرنے کے تعلق سے اصول و قوانین وضع کئے، اور پھر انہیں اصول و قوانین کے پیش نظر احادیث کی تین قسمیں کیں: حدیث صحیح، حدیث حسن، حدیث ضعیف۔ پہلی دو قسمیں: حدیث صحیح و حدیث حسن متفقہ طور پر مقبول قرار پائیں، رہی آخری قسم حدیث ضعیف تو وہ علمائے حدیث کے نزدیک مختلف فیہ رہیں۔ جمہور علما و محدثین اور فقہائے کرام اس بات کے قائل ہوئے کہ عقائد اور احکام وغیرہ میں احادیث ضعیفہ مقبول نہ ہوں گی، البتہ فضائل اعمال، مغازی، سیر، اور

دوسرا مذهب: بعض دیگر علما کی رائے یہ ہے کہ فضائل اعمال و ترغیب و ترہیب اور احکام وغیرہ میں احادیث ضعاف پر مطلقاً عمل نہیں کیا جائے گا، اس رائے کے ماننے والے امام ابو بکر بن العربی وابن حزم طاہری رحمہما اللہ ہیں۔

تیسرا مذهب: بعض علما اس بات کے قائل ہیں کہ اگر احادیث ضعیفہ کا ورود محل احتیاط میں ہو تو اس پر عمل کرنا بہتر ہے (تدریب الراوی للسیوطی، النوع الثانی والعشرون، ص ۲۵۸)

چوتھا مذهب: احادیث ضعاف احکام میں قیاس پر مقدم ہونگی، اس کے قائل امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہیں، یعنی اگر کسی مسئلہ میں صحیح حدیث نہ ہو اور اس کے جواز اور عدم جواز میں احادیث ضعاف اور قیاس کے درمیان اختلاف ہو تو احادیث ضعاف پر عمل کریں گے اور قیاس کو چھوڑ دیں گے، ان کے علاوہ، امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک بن انس، اور امام محمد بن ادریس شافعی رحمہم اللہ کا بھی بعض احادیث ضعیفہ پر عمل رہا ہے (فتح المغیث، ج ۱ ص ۲۴۲، حاشیۃ الاجوبۃ الفاضلۃ للسئلۃ العشرۃ الکاملۃ لمحمد عبدالرحمن اللکنوی، ص ۲۸، ۴۹، بحوث فی علوم الحدیث ص ۱۰-۲۹)

پہلے دو مذاہب پر قدرے تفصیلی گفتگو:

یہاں پر پہلے دو مذاہب پر قدرے تفصیلی گفتگو کروں گا اور باقی کو آئندہ کے لئے مؤخر کئے دیتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

پہلا مذهب: جس کی دو فرعیں ہیں، فرع اول، فرع ثانی۔

پہلے مذهب کی فرع اول: اس مذہب کے ماننے والے علما اور ان کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) امام نووی رحمہ اللہ الاذکار میں فرماتے ہیں: علما و محدثین اور فقہائے

نے اور نہ کرنے کے تعلق سے مذاہب کی تفصیل پیش خدمت ہے، پھر انشاء اللہ اس کی ایک خاص قسم 'حدیث موضوع' کے بارے میں محدثین کرام کی آراء ذکر کروں گا۔
أرجو الله أن يهديني سواء الطريق بجاه سيدنا محمد ﷺ.

احادیث ضعیفہ پر عمل کرنے کے متعلق

مذاہب

پہلا مذهب: جمہور علما و محدثین کے نزدیک احادیث ضعاف فضائل کے باب میں معتبر ہیں، بلکہ امام نووی رحمہ اللہ نے اس پر اجماع کا قول نقل کیا ہے، اس مذہب کی دو فرعیں ہیں:

فرع اول: احادیث ضعیفہ جو موضوع کے قبیل سے نہیں وہ فضائل اعمال میں بغیر کسی قید کے مطلقاً مقبول ہونگی، اکثر علما اسی کے قائل ہیں، امام نووی رحمہ اللہ اور دیگر بہت سارے محدثین نے حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے عدم ضعف شدید کی شرط سے متعین نہیں کیا ہے۔

فرع ثانی: موضوع کے علاوہ احادیث ضعیفہ پر مطلقاً عمل نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کے لئے چند شرطوں کا تحقق ضروری ہے، اس کے قائل حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ہیں۔ شرط اول: راوی میں ضعف شدید نہ ہو، لہذا کذاب، یا جس پر چھوٹ کی تہمت لگی ہو، یا وہ شخص جو غلطی زیادہ کرتا ہو، اگر کسی حدیث کو تنہا روایت کرے تو فضائل کے باب میں بھی اس کی حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا، علامہ صلاح الدین علائی رحمہ اللہ نے اس شرط پر اتفاق کا قول کیا ہے، شرط ثانی: حدیث ضعیف کسی معمول بہ اصل کے تحت داخل ہوتی ہو، شرط ثالث: احتیاط کے طور پر اس حدیث ضعیف پر عمل کرے اور اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھے (فتح المغیث للسخاوی، ج ۱ ص ۲۴۲)

خطا کی وجہ سے حدیث میں ضعف ہو، اور پھر وہ کسی حدیث کی روایت کرنے میں منفرد ہو، تو اس کی حدیث قابل احتجاج نہیں۔ ان کی مراد اس قول سے یہ ہے کہ ایسے اوصاف سے موصوف رجال کی حدیثیں احکام شرعیہ میں معتبر نہیں، البتہ اگر اس قسم کے راوی ترغیب و ترہیب میں روایت حدیث کریں تو معتبر ہوگی چنانچہ بہت سارے ائمہ اعلام نے اس کی رخصت دی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

(۷) امام سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حرام و حلال میں احادیث انہیں لوگوں سے اخذ کرو جو اس فن کے امام ہیں، جو زیادتی اور کمی کو خوب جانتے ہیں، ہاں اگر احادیث مسائل حرام و حلال سے ہٹ کر فضائل اعمال وغیرہ سے ہوں، تو مشائخ سے روایت کرنے اور ان سے احادیث لینے میں کوئی حرج نہیں۔

(۸) امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'عبدة' نے ہم سے روایت کی وہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ کی بات ہے، امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے کسی شخص سے حدیث روایت کی، تو آپ سے کہا گیا کہ یہ شخص تو ضعیف ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اس طرح کی روایتیں اس سے لی جاسکتی ہیں۔ امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے 'عبدة' سے پوچھا وہ کس طرح کی روایتیں تھیں تو انھوں نے فرمایا: ادب، موعظہ اور زہد کے بارے میں تھیں (شرح علل الترمذی، لابن رجب الحسنبلی، ص ۷۶)

(۹) امام ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: موضوع کے علاوہ فضائل اعمال میں وارد حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا (فتح القدیر ج ۲ ص ۸۷، باب الامامة)

(۱۰) حافظ المغرب امام ابن عبد البر مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تمام محدثین فضائل میں اس حد تک تساہلی کرتے ہیں کہ اس باب میں ہر ایک سے حدیثیں لے لیتے ہیں، ہاں اگر حدیثیں احکام میں ہوتی ہیں تو اس میں تشدد سے پیش آتے ہیں (جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبد البر، ج ۱ ص ۵۳، باب تفضیل العلم علی العبادۃ)

کرام اس بات کے قائل ہیں کہ: حدیث ضعیف اگر موضوع نہ ہو تو فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب کے باب میں اس پر عمل کرنا مستحب ہے (فتح المغیث، ج ۱ ص ۲۴۲)

(۲) امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی متعدد تصانیف میں فضائل کے باب میں احادیث ضعیف معتبر ہونے کے بارے میں عدم ضعف شدید کی قید کے بغیر محدثین اور دیگر علماء کا اجماع نقل کیا ہے (الاذکار للنووی ص ۷، ثالث فصول المقدمة)

(۳) صاحب التحلیۃ شرح الممدیہ فرماتے ہیں: حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں عمل کرنا درست ہے، اس شرط کے ساتھ کہ اس کا انحطاط موضوع کی حد تک نہ ہو، اور یہی جمہور کا مذہب ہے (الھاد الکاف للاحمد رضا البریلوی، نقل عن التحلیۃ شرح الممدیہ، ص ۹۴)

(۴) خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: محدثین وغیرہ کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہلی برتنا، موضوع کے علاوہ ضعیف حدیثوں کی روایت کرنا، اور فضائل اعمال وغیرہ میں ان پر عمل کرنا جائز و درست ہے، البتہ اس طرح کی حدیثیں صفات باری تعالیٰ اور حرام و حلال کے باب میں معتبر نہ ہوں گی (تدریب الراوی، النوع الثانی والعشرون، ص ۲۵۸)

(۵) امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: محدثین کی عادت ہے کہ وہ احکام و عقائد کے علاوہ فضائل اعمال وغیرہ میں احادیث ضعیف میں تساہلی سے کام لیتے ہیں، اس شرط کے ساتھ کہ وہ حدیثیں موضوع نہ ہوں (الھاد الکاف ص ۱۲۹، نقل عن شرح المواہب الدنیہ)

(۶) امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام ترمذی رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ: 'اگر کوئی ایسا راوی جس پر جھوٹ کی تہمت لگائی گئی ہو، یا غفلت اور کثرت

المکی، الخلاصۃ فی احکام الحدیث الضعیف، فتح المغیث للعراقی، فتح المغیث
للسخاوی، قوت القلوب، الھاد الکاف وغیرہ۔

پہلے مذهب کی فرع ثانی: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے

ہیں: ترغیب وترہیب میں وارد شدہ احادیث ضعیف پر مطلقاً عمل کرنا جائز نہیں، ان
پر عمل کرنے کے لئے تین شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ شرط اول: راوی میں ضعف
شدید نہ ہو، لہذا کذاب، یا جس پر جھوٹ کی تہمت لگی ہو، یا وہ شخص جو غلطی زیادہ کرتا
ہو، اگر کسی حدیث کو تنہا روایت کرے تو فضائل کے باب میں بھی اس کی حدیث پر
عمل نہیں کیا جائے گا، علامہ صلاح الدین علائی رحمہ اللہ نے اس شرط پر اتفاق کا قول
کیا ہے۔

اس شرط کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس پر تفصیلی کلام کیا جائے، ملاحظہ
فرمائیں:

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ علامہ علائی رحمہ اللہ کا صرف قول ملتا ہے
جنہوں نے حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے عدم ضعف شدید کی شرط لگا کر اس
پر اتفاق کا قول کیا ہے، انہیں کے قول کو خاتم الحفظ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ”تدریب
الراوی“ میں، اور امام سخاوی رحمہ اللہ نے ”القول البدیع“ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ
سے نقل کیا ہے۔ مجھے ان کے علاوہ کسی اور کا قول اس شرط کے ذکر کے ساتھ نہیں ملا،
ہاں اس کے برخلاف امام نوادی رحمہ اللہ جو علامہ علائی رحمہ اللہ سے متقدم ہیں،
انہوں نے بغیر عدم ضعف شدید کی قید کے حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے بارے
میں اجماع کا قول کیا ہے، نیز امام نوادی رحمہ اللہ نے اپنی کسی کتاب میں اس شرط کا
ذکر نہیں کیا، بس اسی پر اکتفا کیا کہ حدیث ضعیف فضائل میں ہو تو اس پر عمل کیا جائے
گا، چنانچہ خاتم الحفظ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن الصلاح رحمہ اللہ نے

(۱۱) امام علامہ علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کا اتفاق ہے کہ ضعیف
حدیث پر جن کا ورود فضائل اعمال میں ہوا ہے عمل کیا جائے گا (الاسرار المرفوعۃ ص
۳۱۵، رقم الحدیث: ۴۳۴)

(۱۲) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب ہم احکام میں حدیثیں
روایت کرتے ہیں تو اس میں شدت، اور فضائل وغیرہ میں تساہلی سے کام لیتے ہیں
(تدریب الراوی النوع الثانی والعشرون، ص ۲۵۸)

(۱۳) اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمہ اللہ
فرماتے ہیں: اگر فسق وغیرہ کی وجہ سے راوی متروک ہو اور ساتھ ہی وہ کذب سے
بری ہو تو اس کی حدیث احکام میں معتبر نہیں ہوگی، ہاں فضائل کے باب میں راجح یہی
ہے کہ اس کی حدیث مطلقاً مقبول ہوگی اگرچہ وہ اس حدیث کے روایت کرنے میں
منفرد ہو، اور بعض کے نزدیک تعدد طرق کے بعد قابل اعتبار ہوگی (الھاد الکاف فی
حکم الضعاف، ص ۴۴)

ان علمائے حدیث کے علاوہ دیگر علما و محدثین کے اسما جو فضائل اعمال
وغیرہ میں موضوع کے علاوہ حدیث ضعیف کو بغیر کسی شرط کے مطلقاً معتبر مانتے ہیں،
یا یہ کہ ان کے اقوال میں عدم ضعف شدید کی شرط مذکور نہیں، اور وہ یہ ہیں: امام ابن
مہدی، ابن معین، سفیان ابن عیینہ، ابوداؤد صاحب السنن، عبدالغنی نابلسی، شہاب
الدین خفاجی مصری، ابوطالب مکی، ابن تیمیہ، زین الدین عراقی، بدر الدین زرکشی،
ابن حجر مکی، ابوزکریا غبری رحمہم اللہ وغیرہم۔ میں نے طوالت کے خوف سے یہاں
صرف نام شمار کرنے پر اکتفا کیا ہے، ان کے اقوال کی مزید تفصیل کے خواہاں
حضرات ان کتابوں کی طرف رجوع کریں: شرح علل الترمذی، تدریب
الراوی، الحدیث الندیۃ شرح الطریقۃ الحمدیۃ، نسیم الریاض، شرح المشکاۃ لابن حجر

قول نقل کیا ہے، مگر ان کا عمل خود اس شرط کے خلاف ہے، چنانچہ علامہ علائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: راوی الحکم بن سعید سعدی، کو امام ابو الفتح محمد بن حسین ازدی وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے، اور امام بخاری فرماتے ہیں: وہ منکر الحدیث ہیں، پھر بھی اس راوی کی روایت کو زکریا بن منظور کی روایت کے لئے متابع مانا جاسکتا ہے (اللائی المصنوعۃ، للسیوطی، ج ۱ ص ۲۳۸)

دور جدید کے محققین توجہ فرمائیں، امام الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حکم بن سعید سعدی، منکر الحدیث ہیں، جس کا معنی عموماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ جس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ منکر الحدیث فرمادیں، اس سے حدیث روایت کرنا جائز نہیں، جیسا کہ ان کی طرف یہ قول منسوب بھی ہے، چہ جائے کہ اس کو کسی راوی کی حدیث کے لئے متابع مانا جائے، مگر امام الحدیث کی اس جرح کے باوجود بھی، حافظ علائی رحمہ اللہ نے حکم بن سعید سعدی کی روایت کو زکریا بن منظور کی روایت کے لئے متابع مانا۔

چوتھی وجہ: جب ہم امام ابن حجر رحمہ اللہ کے نقد و کلام کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ کا عمل اپنی ذکر کردہ شرط کے خلاف ہے، چنانچہ بعض احادیث کے بارے میں جس کا راوی غلط فاحش کا شکار ہوتا ہے، بلکہ موضوعات روایت کرنے سے 'مہتمم' ہوتا ہے، اس کے بارے میں آپ فرماتے ہیں: فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب کے باب میں ان کی حدیث قابل عمل اور معتبر ہے، محض دعویٰ نہ رہے اس لئے ذیل میں اس کی مثال پیش خدمت ہے:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مصنف 'مسند' میں فضیلت عسقلان کے بارے میں ایک حدیث روایت کی ہے، جس کی سند میں ایک راوی ابو عقال ہلال

مقدمہ میں اور امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی ساری کتابوں میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے صرف ایک شرط ذکر کی ہے، اور وہ یہ کہ فضائل کے باب میں ہو و بس (تدریب الراوی، النوع الثانی والعشرون، ص ۲۵۸)

حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے اگر عدم ضعف شدید کی شرط ہوتی تو ابن صلاح اور امام نووی رحمہما اللہ اور دیگر محدثین و ناقدین اس شرط کے ذکر کرنے کا التزام ضرور کرتے، کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ محدثین کا کسی شرط پر اتفاق ہو اور وہ اس کے موقع محل پر بیان کرنے سے گریز کریں۔

مطلقاً شدید ضعیف نہ ہونے کی قید

معتبر نہیں

لہذا کیا علامہ علائی رحمہ اللہ کے قول سے اتفاق کیا جاسکتا ہے؟ اگر گہرائی، گیرائی اور دقت نظری سے دیکھا جائے تو حقیقت یہی کھل کر سامنے آتی ہے کہ ان کے قول سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی یہ قول کیا جاسکتا ہے کہ فضائل کے باب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ شدید ضعیف نہ ہو، اس کی چند وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: مذہب اول کی فرع اول کے بڑے بڑے محدثین و فقہائے کرام و علمائے عظام کے اقوال و آراء اس بات پر شاہد عدل ہیں کہ احادیث ضعیف فضائل کے باب میں اگر موضوع نہ ہو تو بغیر کسی شرط و قید کے معتبر ہیں۔

دوسری وجہ: اسی طریقہ کار پر محدثین وغیرہ کا اجماع بھی ہے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے اسی کی طرف بغیر عدم ضعف شدید کی قید کے اپنی مصنفات میں اشارہ فرمایا ہے۔

تیسری وجہ: علامہ علائی رحمہ اللہ نے اگرچہ اس شرط پر اتفاق کا

’الربیع بن صبیح‘ ضعیف، اور تیسرے ’یزید بن ابان‘ متروک ہیں۔

ان کے اس کلام پر خاتم الحفظ امام سیوطی رحمہ اللہ، جنہوں نے حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے ’عدم ضعف شدید‘ ہونے کی شرط کو اپنی کتاب ’تدریب الراوی‘ میں ذکر کیا ہے، تعقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی ’سنن‘ میں ذکر کیا ہے، اور امام مزی رحمہ اللہ ’تہذیب الکمال‘ میں فرماتے ہیں: یہ حدیث منکر ہے، ’داؤد‘ کے علاوہ کسی اور کی روایت سے معروف نہیں، اور منکر ضعیف کی قسم سے ہے جو فضائل میں محتمل ہوتی ہے (الکتب البدیعات للسیوطی، ص ۳۲۱)

یہ مثال ان محققین کے لئے ہے جو منکر الحدیث کو انتہائی شدید ضعیف مانتے ہیں، ورنہ میرے نزدیک اس کے قائل کی طرف نظر کرتے ہوئے منکر الحدیث کے متعدد مراتب ہیں، ان شاء اللہ اس کا مفصل بیان، حدیث ’اطلبوا العلم ولو بالبعین‘ کی تحقیق میں آئے گا۔

امام سخاوی رحمہ اللہ نے بھی حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے ’عدم ضعف شدید‘ ہونے کی شرط کو اپنی کتاب ’القول البدیع‘ میں ذکر کیا ہے، اور اس پر امام علانی رحمہ اللہ کے اتفاق کا قول بھی نقل فرمایا ہے۔ اس کتاب کے محقق ’محمد عوامہ‘ اس پر تعلق لگاتے ہوئے فرماتے ہیں: ’اس اتفاق کے دعویٰ پر نظر طویل ہے، اللہ جل شانہ سے امید کرتا ہوں کہ جلد ہی کسی مناسب مقام پر اس پر تفصیلی کلام کرنے کا موقع عنایت فرمائے، اور پھر رہنمائی فرمائی کہ خود مصنف سخاوی رحمہ اللہ کا عمل اس شرط کے خلاف ہے، چنانچہ امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث دعاء الحاجۃ بہت ضعیف ہے، فضائل اعمال میں لکھی جائے گی (القول البدیع للسخاوی، ص ۴۹۷)

یہ پانچوں وجہیں بہترین شاہد عدل ہیں میرے اس قول پر کہ: ’علامہ علانی

بن زید‘ ہیں ان کی ایک حدیث کو امام عبدالرحمن بن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی موضوعات میں شمار کیا ہے، کیونکہ مذکور راوی کے بارے میں ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’ابوعقال ہلال بن زید‘ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے موضوع حدیثیں روایت کرتے ہیں۔

امام ابن حجر رحمہ اللہ تعقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ حدیث فضائل اعمال اور رباط پر تخریض کے لئے ہے، اور اس حدیث میں کوئی ایسی چیز بھی نہیں جو شرعاً یا عقلاً محال ہو، لہذا اس حدیث کو صرف اس وجہ سے باطل کہنا کہ اس کے راوی ’ابوعقال‘ ہیں درست نہیں، خاص طور سے اس صورت میں جبکہ معروف ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فضائل میں تساہل کے قائل ہیں (الآلی المصنوعہ، ج ۱ ص ۴۲۱)

اسی ’ابوعقال ہلال بن زید‘ کے بارے میں امام بن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: ’متروک‘ ہیں، اور ان کے نزدیک متروک وہ ہے جو متہم بالکذب ہو (تقریب التہذیب ص ۶۸۳)

تاریخ کرام غور فرمائیں، ان تمام جرح و قدح کے بعد بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث فضائل اعمال میں ہے اس لئے اس پر بطلان کا حکم لگانا درست نہیں، اس سے صاف واضح ہے کہ آپ ’متہم بالوضع‘ کی روایت کو فضائل میں معتبر مانتے ہیں چہ جائے کہ وہ غلط فاحش میں مبتلا ہو۔

پانچویں وجہ: جن بعض محدثین کرام نے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ سے یہ عبارت نقل کی ہے ان کا عمل بھی خود اس شرط کے خلاف ہے: چنانچہ جب ابن جوزی رحمہ اللہ نے، حدیث انس رضی اللہ عنہ: ((ستفتح علیکم بالآفاق)) حدیث فضل قذوین کو اپنی کتاب ’الموضوعات‘ میں ذکر کی اور اس پر نقد فرمایا کہ: اس کی سند میں ایک راوی ’داؤد بن حمزہ‘ وضع ہیں، اور دوسرے

حالانکہ صحیح یہ ہے کہ آپ بھی حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے قائل تھے۔ (حاشیۃ القول البدیع للسخاوی ص ۲۹۶)

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'صحیح' کے مقدمہ میں جو منج اختیار کیا ہے، اس سے یہی ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک ترغیب و ترہیب کی حدیثیں انہیں سے لے سکتے ہیں جن سے احکام کی حدیثیں لی جاتی ہیں (شرح علل الترمذی لابن رجب، ص ۷۷)

یعنی جس طرح احکام حلال و حرام کے راویوں کا ثقہ، مثبت یا صدوق ہونا ضروری ہے، اسی طرح ترغیب و ترہیب کے راویوں کا بھی ان اوصاف حمیدہ سے متصف ہونا ضروری ہے۔ بس یہی دو تین محدثین: ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ حدیث ضعیف پر بالکل عمل نہیں کیا جائے گا، اور مسلم بن حجاج رحمہ اللہ صاحب الصحیح کے قول سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

اگر امام نووی رحمہ اللہ کے قول کو لیا جائے، اور یہ مان لیا جائے کہ فضائل اعمال وغیرہ میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا اجماع فقہاء و محدثین سے ثابت ہے، تو ان دو تین محدثین کے اقوال جو منع کے قائل ہیں، اس باب میں معتبر نہ ہونگے، اور اگر کوئی اس بات پر اتفاق نہ کرے تو کم از کم اسے اتنا ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ جماہیر علماء و محدثین اس بات کے قائل ہیں کہ احادیث ضعیفہ فضائل کے باب میں معتبر ہیں، اور ظاہر ہے کہ جمہور علماء کا غلطی سے بعید ہونا اتنا ہی ممکن ہے جتنا کہ دو تین علماء کا غلطی سے قریب ہونا، یہی وجہ ہے کہ آج تک علمائے کرام دو چند کے شنوڈ کا اعتبار نہ کئے، اور جمہور علماء کے نقش قدم پر قائم و دائم رہے، اور یہی عقلمندی اور دانشمندی ہے۔

حدیث موضوع کب ہو گی؟:

حدیث کے موضوع ہونے کے لئے محدثین کرام نے کچھ اصول و ضوابط

رحمہ اللہ کے قول سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی یہ قبول کیا جاسکتا ہے کہ فضائل کے باب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ شدید ضعیف نہ ہو۔ نیز کم از کم یہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر راوی کی کثرت خطا، غفلت یا فسق کی وجہ سے حدیث شدید ضعیف ہو تو بھی وہ حدیث فضائل کے باب میں مقبول ہوگی۔ اور رہی یہ بات کہ اگر راوی کذاب یا متہم بالکذب وغیرہ ہو تو حدیث کا کیا حکم ہوگا، تو اس کا حکم بحث کے اخیر میں آئے گا۔

دوسرا مذہب: دو چند علماء و محدثین اس بات کے قائل ہیں کہ ترغیب و ترہیب اور احکام وغیرہ کسی بھی باب میں حدیث ضعیف پر عمل کرنا جائز نہیں، اس رائے کے قائلین کے اسماء یہ ہیں: امام بیہقی بن معین، ابو بکر ابن عربی، ابن حزم ظاہری اور مسلم بن حجاج رحمہم اللہ (بحوث فی علوم الحدیث للذکور الخشوعی الخشوعی، ص ۲۳)

ابن سید الناس رحمہ اللہ نے 'عیون الاثر' میں امام بیہقی بن معین رحمہ اللہ کی طرف اس قول کو منسوب کیا ہے (قواعد التحدیث من فنون علوم الحدیث للقتاسی، ص ۱۱۶)

گویا کہ ان کے حدیث ضعیف کے تعلق سے دو مختلف اقوال ہیں، ایک یہ کہ ضعیف حدیث فضائل میں معتبر ہے، جیسا کہ مذہب اول کی فرع اول میں گزرا، اور دوسرا یہ کہ حدیث ضعیف فضائل و احکام وغیرہ کسی میں بھی معتبر نہ ہوگی، مگر پہلا قول ہی راجح ہے، کیونکہ وہی قول جمہور محدثین و فقہاء کی آرا کے موافق ہے۔

ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں: اگر حدیث کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس پر جرح کذب یا غفلت یا مجہول الحال ہونے کی وجہ سے کی گئی ہو تو اس کی روایت لینا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔ (قواعد التحدیث من فنون علوم الحدیث ص ۱۱۶)

امام عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن عربی رحمہ اللہ نے حدیث ضعیف پر عمل کرنے سے مطلقاً منع فرمایا ہے (الاجوبۃ الفاضلۃ، ص ۵۲)

تقریباً یہی علامات وضع 'دکتور الخشوعی الخشوعی صاحب' نے بھی اپنی کتاب 'بحوث فی علوم الحدیث' میں ذکر کی ہیں، جو کلیتہً 'اصول الدین' کے سہہ ثانیہ میں داخل نصاب ہے۔

اگر علامت وضع نہ پائی جائے تو؟

اگر مذکورہ بالا علامات وضع میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو وہ روایت موضوع ہوگی یا نہیں اس مسئلہ میں محدثین کرام کے تین مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صرف کذاب بلکہ وضاع کسی حدیث کے روایت کرنے میں متفرد ہو تو اس حدیث کو موضوع قرار نہیں دیا جائے گا، اگرچہ کوئی مدق، ناقد و حافظ، فن حدیث میں درک رکھنے والا ماہر تام اپنی جہد مسلسل اور تفتیش کامل کے بعد یہ کہے کہ فلاں وضاع نے صرف یہ حدیث روایت کی ہے، کیونکہ استقرائے تام اس بات کو لازم نہیں کہ حدیث موضوع ہو، یا صرف وضاع ہی نے اس حدیث کو روایت کیا ہو، بلکہ حدیث کے موضوع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ علامات وضع میں سے کوئی ایک علامت پائی جائے (فتح المغیث للسخاوی ج ۱ ص ۲۱۵)

دوسرا مذہب: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کذاب اور وضاع جس کا کذب و افتراء حضور ﷺ پر قصد اثابت ہو چکا ہو، اگر ایسا شخص کوئی حدیث روایت کرے تو اس کے بارے میں ظن غالب کے اعتبار سے کہا جائے گا کہ اس کی روایت موضوع ہے، اور اگر اس کا کذب و افتراء قصد اثابت نہ ہو مگر وہ متہم بالکذب یا متہم بالوضع ہو تو اس کے بارے میں نہیں کہا جائے گا کہ اس کی روایت موضوع ہے، ہاں ایسا راوی متروک ضرور ہوگا (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، ص ۲۸)

تیسرا مذہب: اور بعض دیگر علماء محدثین کی رائے یہ ہے کہ اگر کوئی

بیان کئے ہیں، جن میں سے کسی ایک کا حدیث کے موضوع ہونے کے لئے پایا جانا ضروری ہے، ایسا نہیں ہے کہ ہوس کی پیروی کی اور جس حدیث کو چاہا جب چاہا موضوع قرار دیا، انہیں ضوابط میں سے ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ اس حدیث میں علامات وضع میں سے کوئی ایک علامت پائی جائے، یہاں پر موضوع کی مناسبت سے، علامات وضع اختصار کے ساتھ ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں، اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۱) کوئی حدیث اگر: قرآن عظیم یا سنت متواترہ یا اجماع قطعی یا صریح عقل یا صریح حس یا تاریخ یقینی جو تاویل و تطبیق کا احتمال نہیں رکھتی، ان میں سے کسی ایک کے بھی خلاف ہو تو وہ حدیث موضوع ہوگی (۲) یا حدیث کا معنی قبیح ہو جس کا حضور ﷺ سے صدور ممکن نہیں (۳) یا حدیث ایسے امر پر مشتمل ہو کہ اگر اس کا وقوع ہو تو لوگوں کے درمیان مشہور و معروف ہو جائے مگر پھر بھی ایک روایت کے علاوہ کوئی دوسری روایت موجود نہیں (۴) یا روایت فعل حقیر کی وجہ سے کثیر مدح، یا امر صغیر کی وجہ سے شدید مذمت پر مشتمل ہو جس کا حضور ﷺ کے کلام سے تشابہ نہ ہو (۶) یا حدیث کے الفاظ رکیک و سخیف ہوں کہ طبع سلیم اس کو قبول نہ کرے، اور راوی اس بات کا مدعی ہو کہ بعینہ یہ حضور ﷺ کے الفاظ ہیں (۷) یا ایسی حدیث جو اہل بیت سے تعلق رکھتی ہے، جس کا ناقل رافضی ہے، اور وہ حدیث اس رافضی کے علاوہ کسی اور سے مروی نہیں (۸) یا قرآن حالیہ اس پر دال ہوں کہ آدمی نے غصہ یا لالچ کی وجہ سے فوری طور پر روایت گڑھی ہے (۹) یا یہ روایت استقرائے تام کے بعد کتب اسلامیہ میں نہ پائی جاتی ہو (۱۰) یا یہ کہ واضع خود حدیث وضع کرنے کا اقرار کر لے (الحمد الکاف، ص ۶۸-۸۱)

محقق عصر کا تعاقب:

لہذا جس نے بھی حدیث ضعیف یا مطلقاً شدید ضعیف پر عمل نہ کرنے کی رغبت دلائی، وہ اپنی اس فکر میں خاطی اور غیر مصیب ہے، شہید علامہ اسید الحق عاصم قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقالہ 'تقریروں میں موضوع روایات ایک لمحہ فکریہ پڑھنا میسر آیا تھا، ان کی یہ پیش قدمی اچھی کہی جائے گی، احادیث موضوعہ پر اصلاح کی غرض سے لکھنے کی ضرورت ہے، مگر اس کے ضمن میں منج علمی سے انحراف کر کے علمائے کرام پر جملے کسنا، یا احادیث ضعیفہ شدیدہ، اور غیر شدیدہ کو موضوعات سے شمار کرنا، یا اس سے دست بردار ہونے کی رغبت دلانا، یا تشدد و تلعت برتنا، یا اس کے لئے راہ ہموار کرنا، یقیناً غیر سلیم ہے، چنانچہ صاحب مقالہ اپنے گمان کے مطابق ہندوستان کے بعض افراد کی اصلاح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'ابھی کچھ دن پہلے ہمارے ایک محترم بزرگ نے مجھ سے کچھ حدیثوں کی تحقیق چاہی، میں نے ان کی مطلوبہ حدیثوں کی تخریج کر دی، اور ساتھ میں یہ بھی کہہ دیا کہ ان میں فلاں فلاں حدیث ضعیف و منکر ہے، اس کو آپ بیان نہ ہی کریں تو بہتر ہے، اس پر انہوں نے جو جواب دیا وہ ہمارے عام ذہن، اور مزاج کی عکاسی کرتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ: ارے تو کیا ہوا ان سے سر کا صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ہی تو ثابت ہو رہی ہے، کوئی تو ہین تھوڑی ہو رہی ہے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: 'معراج شریف کے سلسلہ میں صحیحین اور دیگر کتب صحاح میں اتنی تفصیل اور کثرت سے روایات موجود ہیں کہ وہ اس واقعے کے سلسلے میں ہمیں ضعیف احادیث سے مستغنی کر دیتی ہیں۔

مجھے اس جمہور مخالف فکر سے اتفاق نہیں، اور نہ ہی کوئی طبع سلیم کا مالک اس فکر سے اتفاق کر سکتا ہے کیونکہ:

مہتمم بالکذب یا مہتمم بالوضع کسی روایت میں منفرد ہو تو وہ روایت موضوع قرار پائے گی، چنانچہ امام زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر موسیٰ بن عبدالعزیز کا مجہول ہونا ثابت ہو جائے پھر بھی حدیث موضوع نہیں ہوگی جب تک کہ سند میں کوئی راوی مہتمم بالوضع نہ ہو (الآلی المصنوعہ للسیوطی، ج ۲ ص ۳۸)

خاتم الحفاظ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگرچہ 'عبدالرحمن بن ابوبکر ملیکی'، 'متروک' ہیں، مگر وہ مہتمم بالکذب نہیں کہ ان کی حدیث کو موضوعات سے شمار کیا جائے (الکتب البدیعات للسیوطی، ص ۱۸۲)

خلاصہ کلام:

فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے تعلق سے مختلف مذاہب ہیں:

پہلا مذہب: جس کی دو فرعیں ہیں: **فروع اول:** محدثین اور

فقہائے کرام کا اجماع یا کم از کم جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ ضعیف حدیث اور کثرت خطا وغیرہ کی وجہ سے ضعیف شدید حدیث پر عمل کرنا جائز و مستحسن ہے۔ **فروع ثانی:** امام علانی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ حدیث ضعیف پر عمل

کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ شدید ضعیف نہ ہو، اور اس پر اتفاق کا قول کیا ہے، مگر اس شرط پر اتفاق کا قول غیر مقبول ہے، کیونکہ امام نواری رحمہ اللہ اور دیگر ڈھیر سارے محدثین کی آراء جنہوں نے حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے عدم ضعف

شدید کی قید نہیں لگائی ہے، اس اتفاق کے قول کو مخدوش کر دیتی ہے، نیز خود امام علانی، ابن حجر عسقلانی، جلال الدین سیوطی اور سخاوی رحمہم اللہ جنہوں نے یہ قیود یا شرط ذکر کی ہے ان کا عمل اس کے خلاف ہے۔ **دوسرا مذہب:** دو تین علمائے

کرام اس امر کے قائل ہیں کہ حدیث ضعیف پر مطلقاً عمل کرنا درست نہیں۔ مگر راجح اور صحیح جمہور ہی کا مذہب ہے۔

حدیث موضوع قرار پائے گی۔

پہلا مذہب اسلم ہے، کیونکہ وضاع کے منفرد ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے حدیث وضع ہی کی ہو یا کسی اور نے اس کے سوا روایت ہی نہ کی ہو، ہاں یہ اور بات ہے کہ اگر کوئی راوی وضاع یا کذاب، متہم بالکذب یا متہم بالوضع کسی حدیث کے روایت کرنے میں منفرد ہو اور اس میں علامت وضع نہ پائی جائے تو اس کی حدیث پر عمل نہ کرنا چاہئے، کیونکہ ایسی حدیثیں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ یا خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے نزدیک موضوع حدیث کے عداد میں آتی ہیں۔

تنبیہ اول: راوی وضاع یا کذاب، متہم بالکذب یا متہم بالوضع کسی روایت میں منفرد ہو، اور اس میں علامت وضع نہ پائی جائے؛ تو اس کی حدیث کو رد کرنے کے لئے ضروری ہے کہ نقاد و محدثین کے اس راوی کے بارے میں وارد شدہ نقد کی چھان بین کی جائے پھر کوئی حکم لگایا جائے، فقط کسی ایک کے قول پر اعتماد کر کے خاص طور سے جب کہ وہ متشدد یا متساہل ہوں جیسے امام ابن حبان رحمہ اللہ، حدیث کا رد کر دینا جہاں مناجیح محدثین سے ناواقفیت کی دلیل ہے وہیں یہ طریقہ کار خطا سے خالی نہیں۔

تنبیہ ثانی: احادیث موضوع کی علامات میں سے ایک علامت یہ ہے کہ حدیث صریح عقل کے خلاف ہو، اس باب میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، کیونکہ ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں کہ حدیث کے صریح عقل کے خلاف ہونے کا فیصلہ کرے۔ نیز ناقد حدیث کے لئے ضروری ہے کہ عقل کسی حدیث کے ورود کو محال سمجھے یا عقل اس کا ادراک نہ کر سکے، ان دونوں کے درمیان تفریق کرے، کیونکہ شریعت اسلامیہ میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کو عقل محال سمجھے، ہاں ایسا کبھی ہوتا ہے کہ عقل اس کے ادراک سے قاصر ہوتی ہے۔ اسی حذر کی طرف ڈاکٹر

(الف) صاحب مقالہ کا کہنا: 'ان میں فلاں فلاں حدیث ضعیف و منکر ہے اس کو آپ بیان نہ ہی کریں تو بہتر ہے' یا یہ کہنا: 'اس واقعے کے سلسلے میں (صحیح حدیثیں) ہمیں ضعیف احادیث سے مستغنی کر دیتی ہیں' اجماع یا کم سے کم جمہور محدثین سے شذوذ و انحراف ضرور ہے، کیونکہ جمہور محدثین اسی بات کے قائل ہیں کہ فضائل میں ضعیف شدید حدیث وغیر شدید پر عمل کرنا بہتر و مستحسن ہے، اور وہ اسی کی طرف رغبت دلاتے رہے ہیں۔

(ب) صاحب مقالہ کے 'محترم بزرگ' کا جواب جس عام ذہن کی عکاسی کرتا ہے وہی درست اور صحیح ہے، کیونکہ وہی مذہب جمہور کا علمبردار ہے، نہ کہ مقالہ نگار کی جدید فکر۔

(۲) جس حدیث میں شدت ضعف راوی کی کثرت خطا یا غفلت یا فسق کی وجہ سے ہو وہ حدیث بھی فضائل کے باب میں معتبر ہوگی، کیونکہ یہی رائے جمہور علماء محدثین کی ہے۔

(۳) حدیث کے موضوع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں وضع حدیث کی علامتوں میں سے کوئی ایک علامت پائی جائے، جس حدیث میں ان میں سے کوئی علامت پائی گئی اس پر عمل کرنا کسی بھی صورت میں جائز نہ ہوگا۔

(۴) اگر علامت نہ پائی جائے تو حدیث کب موضوع ہوگی اس میں تین مذاہب ہیں:

(الف) امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سند میں وضاع ہو تو بھی حدیث کو موضوع نہ کہیں گے (ب) امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس راوی کا حضور ﷺ پر قصد افتراء ثابت ہو اس کی حدیث موضوع ہوگی (ج) امام زرکشی اور امام سیوطی رحمہما اللہ کی رائے یہ ہے کہ: جس پر وضع یا جھوٹ کی تہمت لگائی گئی ہو اس کی

فہرست مراجع

- (۱) الاذکار للنواوی، مطبع: مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلی۔
- (۲) الاجوبۃ الفاضلۃ للکنوی۔
- (۳) الاسرار المرئیۃ لعلی القاری، مطبع: مؤسسۃ الرسالۃ۔
- (۴) بحوث فی علوم الحدیث للحنوفی۔
- (۵) تدریب الراوی للسیوطی، مطبع: دار الحدیث القاہرۃ، مصر۔
- (۶) تقریب التہذیب لابن حجر، مطبع: دار الحدیث القاہرۃ، مصر۔
- (۷) جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر، مطبع: دار ابن حزم۔
- (۸) شرح علل الترمذی لابن رجب الحنبلی، مطبع: عالم الکتب، بیروت۔
- (۹) فتح المغیث للسخاوی مطبع: المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرۃ، مصر۔
- (۱۰) فتح القدیر، ابن الہمام
- (۱۱) قواعد التحدیث من فنون علوم الحدیث للقاہسی، مطبع: دار النفاہس، بیروت، لبنان۔
- (۱۲) القول البدیع للسخاوی، مطبع: دار الیسر، المدینۃ المنورۃ۔
- (۱۳) اللآلی المصنوعۃ للسیوطی، مطبع: دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔
- (۱۴) نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر لابن حجر، مطبع: مکتبۃ الرحاب، القاہرۃ۔
- (۱۵) التکت البدیعات للسیوطی، مطبع: دار الجنان۔
- (۱۶) الہاد الکاف لاحمد رضا البریلوی، تحقیق: ازہری میاں، مطبع: دار الحاوی، بیروت، لبنان۔

الحنوفی الخشوعی صاحب نے اپنی کتاب ”بحوث فی علوم الحدیث“ میں بھی اشارہ فرمایا ہے۔ لہذا اگر عقل سلیم حدیث کے ورود کو محال جانے تو اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا جائے، اور اگر ادراک نہ کر سکے تو کف لسان ضروری ہے۔

بہر حال میں اپنی اس بحث سے یہ پیغام دینا چاہتا ہوں کہ نہ تو میں ان متساہلین کی تائید کرتا ہوں جو احادیث موضوعہ پر قصد ایاد علم کی وجہ سے عمل کرتے ہیں، بلکہ میں ان پر عمل کرنے والوں کی سخت مذمت کرتا ہوں، جو لوگ عدم علم کی بنا پر ایسا کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ علمائے حدیث کی طرف رجوع کر کے احادیث کے احکام معلوم کریں، اور پھر اسی اعتبار سے عمل اور بیان کریں، اور جو لوگ قصد ایاد ایسا کرتے ہیں ان کے لئے وعید شدید ہے، انہیں حضور ﷺ کے اس فرمان سے عبرت حاصل کرنا چاہئے، چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (متفق علیہ) لہذا ایسے لوگوں پر واجب ہے کہ وہ فوراً اپنے اس عمل سے دست بردار ہوں اور توبہ کریں۔ اور نہ ان متشددین کی موافقت کرتا ہوں جو ضعیف حدیث اور کثرت خطا وغیرہ کی وجہ سے ضعیف شدید حدیث کو موضوع قرار دیتے ہیں یا اس پر عمل کرنے سے منع کرتے ہیں، کیونکہ ایسی صورت میں امت مسلمہ بہت سارے فضائل سے محروم ہو جائے گی۔ بلکہ میں افراط و تفریط سے دور مسلمانوں کو وسطیت اور اعتدال اپنانے کی دعوت دیتا ہوں، وہ اس طرح کہ احادیث صحیحہ پر عمل کرنے کا التزام کریں اور ساتھ ہی ضعیف حدیثوں میں وارد فضائل پر بھی توجہ دیں تاکہ ان کے فوائد سے محروم نہ ہوں۔ هذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب، ادعو اللہ تعالیٰ ان یاخذ بایدینا الی طریق الرشاد و یمنحنا التوفیق و النجاح فی الدنیا و الآخرة۔ آمین یا رب العالمین۔

اتفاق نہیں، جس پر شدید ضعیف حدیث قبول کرنے اور نہ کرنے کا دار و مدار ہے، یہاں پر میں نے اپنا موقف ثابت کرنے کے لئے قدرے تفصیلی گفتگو کی ہے۔

ایڈیٹر صاحب نظر عنایت فرمائیں، محترم محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'ہم ان متشددین کے حامی نہیں جو معمولی سے معمولی علت کی بنیاد پر حدیث کو موضوع قرار دیدیتے ہیں اور ضعیف حدیث خواہ اس میں کتنا ہی خفیف درجہ کا ضعف ہو اس کو رد کر دیتے ہیں، متقدمین میں حافظ ابن الجوزی اور متاخرین میں ناصر الدین البانی اور ان کے ہم مزاج حضرات کو اس کی مثال میں پیش کیا جاسکتا ہے۔'

محقق رحمہ اللہ دوسری جگہ فرماتے ہیں: 'اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قاعدہ۔۔۔۔۔ لیکن اس قاعدہ کے اطلاق کا بھی ایک دائرہ ہے اور اس کے استعمال کے کچھ شرائط ہیں۔'

حالانکہ محقق رحمہ اللہ نے فضائل کے باب میں بعض حدیثوں کو جس میں خفیف ضعف تھا اور وہ شرائط کے تحت کھری اتر بھی رہی تھیں بڑی آسانی سے اس کو بیان کرنے سے منع کر دیا، فرماتے ہیں:

'ان میں فلاں فلاں حدیث ضعیف و منکر ہے اس کو آپ بیان نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں: 'اس واقعے کے سلسلے میں (صحیح حدیثیں) ہمیں ضعیف احادیث سے مستغنی کر دیتی ہیں۔ مجھے ان دونوں اقوال سے اتفاق نہیں۔'

ایڈیٹر صاحب ماتھے کی آنکھوں سے دیکھیں محقق صاحب کے یہ اقوال جہاں ایک جہت سے حافظ ابن الجوزی اور البانی کے مثل تشدد کا حامل ہے، وہیں دوسری جہت سے محقق صاحب کے تضاد قول کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جو اہل نظر پر واضح اور بین ہے۔ نیز ان اقوال سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ محقق صاحب

ادارتی نوٹ کی تنقیح

محترم ایڈیٹر صاحب۔۔۔۔۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج بخیر ہونگے 'جام نور' (مئی ۲۰۱۱ء کے شمارے) میں میرا مضمون شائع کرنے، اور ادارتی نوٹ میں بعض نوازشات کا شکریہ، اللہ تعالیٰ ایڈیٹر صاحب اور محقق علامہ اسید الحق رحمہ اللہ کی میرے حق میں کی گئی دعا قبول فرمائے، آمین۔

ایڈیٹر صاحب کا یہ ادارتی نوٹ بعض جہت سے مقالہ نگار کی رائے کے خلاف ہے، جس کی وضاحت مندرجہ ذیل ہے:

ایڈیٹر صاحب فرماتے ہیں: 'زیر نظر مضمون (حدیث ضعیف محدثین کی نظر میں ایک تجزیاتی مطالعہ) دراصل ایک جملہ کی تشریح و تفسیر پر مبنی ہے۔۔۔۔۔ مولانا اسید الحق صاحب (رحمہ اللہ) نے لکھا تھا: اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قاعدہ (فضائل میں ضعیف حدیث بھی مقبول ہے) اپنی جگہ درست ہے، اس کے ثبوت میں بڑے بڑے ائمہ حدیث کے حوالے دئے جاسکتے ہیں، لیکن اس قاعدہ کے اطلاق کا بھی ایک دائرہ ہے اور اس کے استعمال کے کچھ شرائط ہیں۔'

غالباً محقق رحمہ اللہ کے قول میں لفظ 'شرائط' سے میرے مقالہ میں ذکر کردہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا مذہب مراد ہے (میں تو غالباً ہی کہہ سکتا ہوں کیونکہ مجھے ایڈیٹر صاحب کی طرح محقق صاحب کے عبارت کی مراد معلوم نہیں) میں یہاں ایڈیٹر صاحب پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ مجھے ان کی ذکر کردہ شرائط کی پہلی بنیادی شرط سے

سے پڑھیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ مولانا کا مقصد یہ ہے کہ جن معاملات میں ہمارے پاس صحیح احادیث موجود ہیں وہاں ہم ضعیف اور کمزور احادیث بیان کر کے اپنے مسلکی حریف کو یہ کہنے کا موقع کیوں دیں کہ ان حضرات کے عقائد اور معاملات ضعیف احادیث پر منحصر ہیں۔

اس مقام پر تین باتیں کہنا چاہونگا:

پہلی بات: ایڈیٹر صاحب کی عبارت اس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ محقق رحمہ اللہ نے صحیح اور ضعیف احادیث کے درمیان تقابل کر کے صحیح احادیث پر عمل کرنے کی رغبت دلائی ہے، حالانکہ حقیقت حال اس کے خلاف ہے کیونکہ محقق رحمہ اللہ کے مقالے کا محور تقریباً موضوع اور صحیح احادیث ہیں، مقالے میں ایک جگہ کے علاوہ کہیں بھی ضعیف اور صحیح احادیث کے درمیان تقابل پیش نہیں کیا ہے۔ اور دونوں منہوموں (صحیح اور موضوع احادیث، صحیح اور ضعیف احادیث) کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے، لہذا یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ محقق رحمہ اللہ نے صحیح احادیث پر عمل کرنے اور موضوع احادیث کو ترک کرنے کی طرف رغبت دلائی ہے؛ لیکن ایڈیٹر صاحب نے جو منہوم نکالا ہے وہ کہنا مشکل ہے۔

دوسری بات: یہ عبارت ایڈیٹر صاحب کی محقق رحمہ اللہ کے ساتھ بے جا محبت کی عکاسی کر رہا ہے، اس محبت کا لحاظ کرتے ہوئے اگر برسبیل تنزل مان بھی لیا جائے کہ محقق رحمہ اللہ نے اپنے مقالہ میں وہی کہنا چاہا ہے جو ایڈیٹر صاحب کی عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اس صورت میں بھی میری ایڈیٹر صاحب سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ اگر آپ کی مراد ”معاملات“ سے ”مسائل احکام“ مراد ہیں تو اس باب میں آپ کی یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے، لیکن اگر اس سے عقائد مراد ہیں تو اس باب میں یہ فکر درست نہیں، کیونکہ عقائد کے باب میں نہ کہ صرف صحیح بلکہ بعض

نے حدیث ضعیف کے بارے میں کہا کچھ اور ہے، اور کیا کچھ اور ہے۔ ان اختلافات کے باوجود بھی ایڈیٹر صاحب فرماتے ہیں: ”زیر نظر مضمون دراصل ایک جملہ کی تشریح و تفسیر پر مبنی ہے، اور وہ یہ ہے: ”ہم ان متشددین کیا۔۔۔ الخ“ اور پھر ایڈیٹر صاحب نتیجہ نکالتے ہوئے فرماتے ہیں: ”از ہا صاحب کے اس مضمون سے مولانا اسید الحق صاحب (رحمہ اللہ) کی مذکورہ عبارتوں کی تائید ہی ہوتی ہے۔“ اگر ایڈیٹر صاحب کے علاوہ کسی، اور نے یہ بات کہی ہوتی تو ضرور میں استعجاب کے عالم ڈوب گیا ہوتا، مگر افسوس کہ یہ بات ایڈیٹر صاحب نے کہی ہے جس کے وجہ سے میں صحیح ڈھنگ سے تعجب کا اظہار بھی نہیں کر سکتا۔ میں نے محقق رحمہ اللہ کی کس حد تک تائید، اور کس حد تک ان سے نا اتفاقی کی ہے قارئین ’جام نور‘ پر شفاف آئینہ کی طرح واضح ہے۔

ایڈیٹر صاحب فرماتے ہیں: ”مولانا اسید الحق صاحب (رحمہ اللہ) کی دو عبارتوں سے از ہا صاحب کو گمان ہوا کہ مولانا اسید الحق صاحب مطلقاً ضعیف حدیثوں کو قابل قبول نہیں سمجھتے حالانکہ اسید الحق صاحب (رحمہ اللہ) کا یہ مقصد نہیں تھا۔“

میں نے کب کہا کہ محقق صاحب مطلقاً ضعیف احادیث کو قابل قبول نہیں سمجھتے؟ میں نے نہ ایسا کہا ہے اور نہ ہی میں نے ایسا گمان کیا ہے، البتہ محقق صاحب کے متضاد قول اور بعض فضائل کے باب میں حدیث ضعیف کو بیان کرنے سے منع کرنے کی وجہ سے میں نے اس باب میں محدثین کے مذاہب تفصیل کے ساتھ ضرور بیان کر دئے تاکہ اہل حل و عقد دلائل و براہین کی بنیاد پر فیصلہ کر سکیں کہ محقق صاحب کا ان چند فضائل کے ابواب میں ضعیف حدیثوں کو بیان کرنے سے روکنا کیسا ہے؟ ایڈیٹر صاحب فرماتے ہیں: ”آپ مولانا کے مضمون کو دوبارہ امعان نظر

کے مکر کی وجہ سے اجماع یا جمہور کا مذہب نہیں چھوڑ سکتے، اگر وہ اپنے معمولات سے ایسے ہی دامن جھاڑنے لگیں تو انہیں اپنے بہت سارے معمولات کو جو قرآن، حدیث، محدثین اور فقہائے کرام کی افکار و نظریات کے موافق ہیں چھوڑنا پڑ جائے گا، لہذا ان کی مکاری کا شکوہ کرنے کے بجائے ضروری ہے کہ عوام کو اہل سنت و جماعت کے افکار و نظریات کا پوری کوشش کے ساتھ تبلیغ بننے کی تلقین کی جائے، نہ یہ کہ مسلکی حریف کے مکرو فریب کے سامنے ہتھیار ڈال دیا جائے۔ بس بندہ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ اسی کا مکلف ہے جتنی اس کے پاس طاقت ہے، اسے اپنے اس دائرے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، باقی رشد و ہدایت خدا ہی کے ہاتھ میں ہے، فرماتا ہے: ﴿مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا﴾ (سورۃ الکہف: ۱۸، آیت نمبر: ۱۷)

فقط والسلام:

از ہار احمد امجدی مصباحی

ابواب میں تو حدیث متواتر اور مشہور صحیح حدیث کا ہونا ضروری ہے، اور ضعیف احادیث کا تو سرے سے اس باب میں کوئی اعتبار ہی نہیں، ایڈیٹر صاحب دیکھیں: ظفر الامانی، مصنف: علامہ عبدالحی لکنؤی رحمہ اللہ، ص ۲۰۰، تحقیق: عبدالفتاح ابوعدۃ، مطبع: دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، لبنان۔

اور اگر ایڈیٹر صاحب کی عبارت میں مذکور لفظ 'معاملات' سے فضائل کی احادیث مراد ہیں تو اس باب میں بھی محقق رحمہ اللہ کی یہ توجیہ ایڈیٹر صاحب کی زبانی تسلیم نہیں کی جاسکتی، کیونکہ محدثین کرام نے فضائل کے باب میں صرف احادیث ضعیفہ پر عمل کرنے کی ترغیب دلائی ہے، یہ شرط ذکر نہیں کی ہے کہ: جس باب میں صحیح احادیث ہوں اس باب میں ضعیف حدیث مقبول نہیں ہوگی، یا ان کو بیان نہیں کیا جائے گا، بلکہ اس کے خلاف ہی محدثین کا عمل رہا ہے، یہاں پر صرف ایک کتاب کے چند ابواب کی طرف اشارہ کر دیتا ہوں۔ ایڈیٹر صاحب شاید آپ کی نظر سے امیر المؤمنین فی الحدیث محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کی کتاب 'الأدب المفرد' گزری ہو، جس کے مختلف ابواب میں آپ نے صحیح احادیث کے علاوہ ضعیف احادیث سے بھی استدلال کیا ہے، اطمینان قلب کے لئے بعض ابواب مندرجہ ذیل ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

۶۔ باب جزاء الوالدین، ۱۵۔ باب عقوبۃ عقوق الوالدین، ۱۹۔ باب بر

الوالدین بعد موتہما، ۲۰۔ بر من کان یصلہ أبوہ، ۲۶۔ باب صلۃ الرحم (تحقیق: فرید عبدالعزیز الجندی، مطبع: دار الحدیث، قاہرہ مصر) طوالت کے خوف سے انہیں بعض ابواب پر اکتفا کرتا ہوں۔

تیسری بات: رہی بات مسلکی حریف کا عوام کو بہکانے کی تو اس میں

کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ یہ تو ان کا قدیم پیشہ ہے، اہل سنت و جماعت ان

محققین کو رہنمائی بھی ملے گی کہ تحقیق کا منہج اور حدیث پر حکم لگانے کا طریقہ کیا ہونا چاہئے۔

اس حدیث پر میرے گفتگو کا طریقہ یہ ہوگا کہ سب سے پہلے میں ابن جوزی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ سندوں کے دار و مدار راوی ابو عاتکہ پر کلام کروں گا، اس کے بعد دوسری دو سندوں کے بعض راویوں پر بھی کلام کروں گا، اس کلام کے درمیان جو الفاظ جرح و تعدیل آئیں گے ان کے معانی و مفاتہم اور وہ الفاظ محدثین کے نزدیک مراتب جرح و تعدیل کے کس درجہ میں آتے ہیں وہ بھی ساتھ میں واضح کرتا جاؤں گا، پھر اس حدیث پر بعض تعقبات ذکر کر کے محدثین کے اقوال کی روشنی میں انشاء اللہ حدیث کا حکم بیان کروں گا۔ و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ

سندوں کا خلاصہ

امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے حدیث: ((اطلبوا العلم ولو بالصین)) کو اپنی کتاب 'الموضوعات' میں تین فرعی سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے، پہلی اور دوسری سند الحسن بن عطیہ کوفی، اور تیسری سند حماد بن خالد خیاط سے جا کر ملتی ہے، جنہوں نے حدیث مذکور کو طریف بن سلیمان ابو عاتکہ سے روایت کی ہے (الموضوعات لابن الجوزی، ج ۱ ص ۲۱۵، ۲۱۶، کتاب العلم)

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ امام ابن جوزی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ تینوں فرعی سندوں کے دار و مدار ابو عاتکہ راوی ہیں۔ اسی کو محدثین کی اصطلاح میں مدار حدیث کہتے ہیں۔ لہذا تمام فرعی سندوں کے راویوں کے موثق ہونے کے ساتھ اگر جس پر حدیث کا مدار ہے وہ ثقہ ہے تو اس کی حدیث صحیح ہوگی، صدوق ہے تو حسن

مشہور حدیث

((اطلبوا العلم و لو بالصین))

تحقیق کے آئینہ میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریباً دو سال قبل 'مدینة البعوث الاسلامیة مصر' (جامعۃ الازہر الشریف میں زیر تعلیم غیر ملکی طلبہ کی رہائش گاہ) میں بعض ہندوستانی احباب کے ساتھ محو گفتگو تھا، موضوع سخن احادیث نبی ﷺ تھا، جو مجھے اور میرے بعض احباب کو بہت زیادہ عزیز ہے، دوران گفتگو ان میں سے ایک صاحب فکر و نظر میرے 'کلیۃ اصول الدین' میں ہونے کی وجہ سے میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا: حدیث: ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم کہ اس وقت میرے مطالعہ میں خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی کتاب "الکتب البدیعیات علی الموضوعات" آچکی تھی، میں نے اسی کتاب کے مطالعہ کی روشنی میں اپنی یادداشت کے مطابق ان سے عرض کیا نہیں یہ حدیث موضوع نہیں بلکہ حسن یا ضعیف ہے۔ بہر حال بات آئی اور ختم تو ہوگئی، مگر میں نے اسی دن اپنے دل میں عزم مصمم کر لیا تھا کہ کبھی ناکبھی میں اس حدیث پر تحقیق ضرور کروں گا، لیکن دروس اور بعض شواغل کی وجہ سے تقریباً دو سال گزر گئے اور میں اپنے اس عزم کو عملی جامہ نہیں پہناسکا، اب دو سال کے بعد اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے میری یہ خواہش پوری ہو رہی ہے۔ میں اپنی اس بحث کے ذریعہ ہندوستان کے علماء، طلبہ اور دیگر لوگوں کے سامنے، حدیث: ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) کی تحقیق ایتق پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، جو انشاء اللہ محض دعاوی اور خیانت علمی سے خالی اور دلائل و براہین سے مزین ہوگی۔ نیز اس بحث و تہیص سے انشاء اللہ دور حاضر کے

عائکہ سے روایت کرنے والے 'حسن بن عطیہ کوفی' ہیں، اس نام کے دو راوی ہیں: ایک 'کوفی' اور دوسرے 'عوفی' سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اور امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے جس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے وہ 'حسن بن عطیہ کوفی' نہیں بلکہ وہ 'حسن بن عطیہ عوفی' ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'امام ابو حاتم رحمہ اللہ وغیرہ نے 'حسن بن عطیہ عوفی' کو ضعیف قرار دیا ہے' (المغنی فی الضعفاء للذہبی، ج ۱ ص ۱۶۲) اور رہی بات 'حسن بن عطیہ کوفی' کی تو آپ ان کی توثیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: 'وہ صدوق ہیں' (الکاشف فی معرفۃ من لہ روایۃ فی الکتب الستہ للذہبی، ج ۱ ص ۳۲۷)

ہاں امام ابو الفتح محمد بن حسین ازدی رحمہ اللہ نے 'حسن بن عطیہ کوفی' کو ضعیف قرار دیا ہے، مگر غالباً انہیں 'حسن بن عطیہ عوفی' سے اشتباہ ہو گیا، اور بجائے ان کو ضعیف قرار دینے کے 'حسن بن عطیہ کوفی' کو ضعیف قرار دیا، اور ایسا ممکن ہے کیونکہ سہو و نسیان انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ 'حسن بن عطیہ کوفی' صدوق ہیں، اور امام ابو الفتح ازدی رحمہ اللہ نے ان کی تضعیف کی ہے، میرے خیال سے انہیں 'حسن بن عطیہ عوفی' سے اشتباہ لاحق ہو گیا، اور 'کوفی' کو 'عوفی' سمجھ کر ضعیف قرار دیا' (تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی، ج ۲ ص ۲۶۵)

اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے 'حسن بن عطیہ کوفی' کے بارے میں 'لاباس بہ' فرمایا ہے، 'صدوق' اور 'لاباس بہ' سے موثق راوی مراتب تعدیل کے چوتھے درجہ میں آتا ہے جس کی حدیث عموماً حسن لذاتہ ہوتی ہے (المغنی فی الضعفاء للذہبی، ج ۱ ص ۱۶۲)

ہوگی اور ضعیف ہے تو حدیث ضعیف ہوگی الخ۔ مجھے اپنی اس بحث میں راوی 'ابو عائکہ' پر تفصیلی کلام کرنا ہے، تاکہ محدثین کے اقوال کی روشنی میں کسی نتیجے پر پہنچا جاسکے۔

بعض اہم نکات:

اس سے پہلے بعض اہم نکات کی طرف وقت کی مناسبت سے اشارہ کر دینا بہتر سمجھتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

(أ) ابن جوزی رحمہ اللہ کا اپنی کتاب 'الموضوعات' میں کسی حدیث کے ذکر کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہی ہو، کیونکہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں بہت تساہلی سے کام لیا ہے۔ خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'قدیم و جدید دور کے حفاظ نے اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ ابن جوزی رحمہ اللہ سے 'الموضوعات' میں بہت زیادہ تساہلی واقع ہوگئی ہے، انہوں نے بہت ساری ضعیف اور بعض حسن صحیح حدیثوں کو اپنی اس کتاب میں ذکر کر دیا ہے۔' اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'ابن جوزی رحمہ اللہ نے 'الموضوعات' میں اور حاکم نیشاپوری نے 'المستدرک' میں تساہلی کر کے ان دونوں کتابوں کے نفع کو معدوم کر دیا ہے، کیونکہ ان میں کی ہر ایک حدیث میں تساہلی واقع ہونے کا احتمال ہے۔ لہذا ناقد حدیث پر واجب ہے کہ ان دونوں محدثین کی نقل کردہ حدیثوں کا بغیر ان کی تقلید کئے از سرے نو تحقیق و در اسہ کرے پھر اس کی روشنی میں فیصلہ کرے کہ وہ حدیث کس درجہ کی ہے' (مقدمۃ التکت البدیعات علی الموضوعات، ص ۲۹)

(ب) امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'حسن بن عطیہ' کو امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے (الموضوعات لابن الجوزی، ج ۱ ص ۲۱۶) حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ پہلی جن دوسندوں میں ابو

کے باب میں ان کے اسی تساہلی کی بناء پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انہیں متساہل قرا دیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'ابن حبان رحمہ اللہ کی تساہلی نقد کے میدان میں مشہور و معروف ہے' (الکتب علی کتاب ابن الصلاح لابن حجر، النوع الثامن، ص ۲۹۲)

اس بیان سے ثابت ہو گیا کہ ابن حبان رحمہ اللہ جرح و نقد میں افراط و تفریط کے شکار تھے۔

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ محض کسی ایک محدث کی جرح پر اعتماد کر کے کسی حدیث پر حکم لگانا یا موضوع قرار دینا درست نہیں، اس لئے بدرجہ اولیٰ ابن حبان رحمہ اللہ جو افراط و تفریط میں مبتلا تھے محض ان کے قول پر اعتماد کر کے حدیث: ((اطلبوا العلم والعلم ولو بالصین)) کو موضوع قرار نہیں دیا جائے گا۔ لہذا اس حدیث پر حکم لگانے کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے محدثین کرام کے اقوال کی طرف رجوع کیا جائے۔ اسی کے پیش نظر ذیل میں پہلے ابن جوزی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ سندوں کے دارو مدار راوی 'ابوعاتکہ' اور ان کی روایت کردہ حدیث کے بارے میں دوسرے محدثین کرام کے اقوال پیش کرتا ہوں۔

داوی 'ابو عاتکہ' پر کلام:

راوی 'ابو عاتکہ' کے بارے میں کلام کرنے والوں کے دو گروہ ہیں ایک متوسط اور دوسرا تشدد:

(۱) متوسطین کے اقوال:

اکثر محدثین عظام جو اعتدال پسند ہیں وہ فرماتے ہیں کہ راوی 'ابو عاتکہ' اور اس کی روایت کردہ حدیث: ((اطلبوا العلم ولو بالصی)) فقط ضعیف ہے،

لہذا جن محققین نے 'حسن بن عطیہ کوفی' کو 'متکلم فیہ' کہہ کر ان کی حدیث کو رد کرنے کی کوشش کی ہے، وہ اپنی تحقیق پر نظر ثانی کریں۔

(ج) امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث: ((اطلبوا العلم ولو بالصین)) باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں، ان کے قول پر اعتماد کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم دیکھیں کہ جرح و تعدیل کے باب میں محدثین کے نزدیک امام ابن حبان رحمہ اللہ کی کیا حیثیت ہے، کیونکہ ہر ایک کی جرح اگر یوں ہی قبول کی جانے لگے تو بہت سارے بڑے بڑے محدثین اور ان کی احادیث سے ہاتھ دھونا پڑ جائے گا۔

ابن حبان رحمہ اللہ کی نقد و جرح

محدثین کی نظر میں

(أ) ابن حبان رحمہ اللہ جرح و قدح کے باب میں تشدد تھے، ان کے اسی تشدد کی بنا پر امام ذہبی رحمہ اللہ ان پر اپنی کتاب 'میزان الاعتدال' میں متعدد جگہ بر سے ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'خساف جلد باز ابن حبان کو محمد بن فضل سدوسی عارم کے بارے میں یہ کہنے کی کیسے جرأت ہوئی کہ: ان کو آخری عمر میں اختلاط ہو گیا تھا' (میزان الاعتدال للذہبی، ج ۴ ص ۸)

آپ دوسری جگہ 'فلح بن سعید مدنی' کے ترجمہ میں فرماتے ہیں: 'ابن حبان رحمہ اللہ کبھی کبھی ثقہ راوی، کو بھی اپنی جرح و قدح کا نشانہ بنانے سے نہیں چوکتے، ایسا لگتا ہے کہ ان کے سر سے جو نکلتا ہے انہیں پتہ ہی نہیں چلتا' (میزان الاعتدال، ج ۱ ص ۲۷۴)

(ب) ابن حبان رحمہ اللہ تشدد ہونے کے ساتھ ساتھ متساہل بھی تھے، نقد

(ذ) امام ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ ضعیف ہیں (تقریب التہذیب لابن حجر، ص ۷۷۶)

(ر) امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث: ((اطلبوا العلم ولو بالصین)) دو وجہوں سے مروی ہے اور وہ دونوں وجہوں سے ضعیف ہے (المقاصد الحسنة للسخاوی ص ۷۳)

(ز) امام بیہقی رحمہ اللہ ابو عاتکہ کی روایت کردہ حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: حدیث مذکور مشہور حدیث کی طرح ہے، اس کی اسناد ضعیف ہے، اور یہ حدیث متعدد ضعیف طرق سے مروی ہے (شعب الایمان للبیہقی، ج ۲ ص ۲۵۴)

(س) ابو الحسن محمد بن خلیل فرماتے ہیں: ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ وہ صرف ضعیف ہے (الاولیٰ المرصوع للقاوی، ج ۱ ص ۴۰)

حدیث ضعیف کی تعریف: حدیث ضعیف وہ ہے جس کے اندر حدیث حسن کی صفات میں سے کوئی ایک صفت مفقود ہو، اور وہ صفتیں یہ ہیں:

(۱) عدالت راوی (۲) خفت ضبط (۳) اتصال سند (۴) معلل نہ ہونا (۵) شاذ نہ ہونا (نزہۃ النظر شرح نخبة الفكر للعسقلانی، ص ۱۵، ۱۹)

یضعف و ضعفہ وغیرہ کا معنی و مفہوم: یعنی راوی ضعیف ہے، ان الفاظ کا شمار مراتب جرح کے پہلے اور دوسرے مرتبہ میں ہوتا ہے، جس راوی کی ان الفاظ کے ذریعہ جرح کی گئی ہو اس کی حدیث متابع و شاہد بن سکتی ہے (الارشاد الی کیفیت دراستہ الاسناد لرضا زکریا، ص ۱۶۵، ۱۶۶)

(ش) ابو احمد الحاکم الکبیر راوی ابو عاتکہ کے بارے میں فرماتے ہیں: لیس بالقوی عندہم (الاسامی والکنی، لابن احمد الحاکم، ج ۵ ص ۳۹۲)

ان کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

(أ) امام ترمذی رحمہ اللہ ابو عاتکہ کی ایک حدیث کو اپنی سنن میں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: 'یضعف' یعنی ابو عاتکہ کی تضعیف کی جاتی ہے (سنن الترمذی ج ۳ ص ۹۶، باب ماجاء فی الکحل للصائم، رقم الحدیث: ۷۲۶)

(ب) محمد بن احمد عبد البہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ ضعیف ہیں (تنقیح التحقيق فی احادیث التعلیق لمحمد بن احمد عبد البہادی الحسینی، ج ۲ ص ۴۲۸، کتاب الصلاة، مسائل التطوع)

(ت) امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضعیف ہیں (الضعفاء والمتر وکین لابن الجوزی، ج ۲ ص ۶۳)

(ث) امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'ضعفہ' یعنی محدثین نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے (الکاشف فی معرفۃ من لہ روایۃ فی الکتب الستہ للذہبی، ج ۵، ص ۵۶۷)

(ج) حافظ المغرب ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'ہو عندہم ضعیف' یعنی وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں (تہذیب التہذیب لابن حجر ج ۱۲ ص ۱۵۸)

(ح) امام ذہبی رحمہ اللہ دوسری جگہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: 'مجمع علی ضعفہ' یعنی محدثین کا اجماع ہے کہ ابو عاتکہ ضعیف ہیں (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۵۴۲)

(خ) ابن عبد البہادی رحمہ اللہ دوسری جگہ فرماتے ہیں: 'مجمع علی ضعفہ' (تنقیح التحقيق، لابن عبد البہادی، کتاب الصیام ج ۳ ص ۲۴۷)

(د) امام عجلونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ ضعیف ہیں (کشف الخفاء للعجلونی، ج ۱ ص ۱۵۴)

کو کہتے ہیں جو کثیر الخطا، کثیر الغفلة یا فاسق ہو، اور امام ابن حجر کے نزدیک اس ضعیف راوی کو کہتے ہیں جس کی حدیث ثقہ راوی کے خلاف ہو، اور حافظ ابو بکر بردبجی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس راوی کے بارے میں استعمال کرتے ہیں جو کسی روایت میں متفرد ہو، خواہ ثقہ ہو یا ضعیف! (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر لابن حجر، ص ۲۳، ۵۳، شرح علل الترمذی لابن رجب الحنبلی، ص ۲۵۲، ۳۵۳)

یہاں پر امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو عاتکہ کے بارے میں فرمایا: 'منکر الحدیث' ہیں، چونکہ یہ قول مختلف محدثین کے نزدیک مختلف معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، اس لئے بہتر ہے کہ ابو عاتکہ کی حدیث کو انتہائی ضعیف کہنے سے پہلے ہم یہ معلوم کر لیں کہ آپ کی اس لفظ سے کیا مراد ہے۔ آپ فرماتے ہیں: 'میں جس راوی کے بارے میں 'منکر الحدیث' کہہ دوں اس سے حدیث روایت کرنا حلال نہیں' (میزان الاعتدال للذہبی، ج ۱ ص ۶)

عام طور سے یہی سمجھا جاتا ہے اور یہ سمجھنا ایک حد تک غلط بھی نہیں کیونکہ آپ سے اسی طرح مروی بھی ہے، مگر جب نقد کے میدان میں قدم رکھا جاتا ہے، اور مباحث کے بیچ و خم سے گزر جاتا ہے تو بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ مطلقاً ایسا نہیں ہے، بلکہ آپ یہ لفظ کبھی تو ایسے راوی کے بارے میں فرماتے ہیں جس کا کذب مشہور ہوتا ہے جس سے روایت کرنا جائز نہیں، لیکن کبھی ایسے راوی کے بارے میں بھی فرماتے ہیں جس سے روایت کرنا جائز ہے، اور کبھی راوی کی روایت قلیل ہونے کی وجہ سے اس کے بارے میں یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ میں یہاں پر دو مثالیں ذکر کر دیتا ہوں تاکہ یہ مسئلہ پورے طور سے واضح ہو جائے:

پہلی مثال: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'اسحاق بن نجیح ملطی' یہ راوی 'منکر الحدیث' ہیں (التاریخ الکبیر للبخاری، ج ۱ ص ۴۰۴)

لیس بالقوی کا معنی و مفہوم: یعنی راوی ثقہ نہیں، اس لفظ کا شمار مراتب جرح کے دوسرے درجہ میں ہوتا ہے، اس سے جرح کئے جانے والے راوی کی حدیث قابل اعتبار ہوتی ہے، یہ لفظ اس راوی کے بارے میں کہا جاتا ہے جس کا مرتبہ اس قدر بلند نہ ہو کہ 'ثقتہ' تک پہنچ جائے، اور نہ ہی اس قدر انحطاط پذیر ہو کہ ضعیف کے درجہ تک پہنچ جائے بلکہ اس کا درجہ ان دونوں کے درمیان کا ہے جسے 'صالح الحدیث' کہا جاسکتا ہے جس کا شمار مراتب تعدیل کے پانچویں یا چھٹے درجہ میں ہوتا ہے، اس درجہ کی حدیث بھی قابل اعتبار ہوتی ہے، بات آنے والی مثالوں سے واضح ہو جائے گی:

چنانچہ عبد اللہ بن احمد بن حنبل رحمہما اللہ فرماتے ہیں: 'میں نے اپنے والد گرامی سے 'ہشام بن حجر' راوی کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا 'لیس ہو بالقوی' تو میں نے کہا: کیا وہ ضعیف ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: 'لیس ہو بذاک' (العلل و معرفۃ الرجال النص: ۳۶، ج ۱ ص ۱۵۰)

اور علی بن مدینی 'فرج بن فضالہ' کے بارے میں فرماتے ہیں: 'ہو وسط، و لیس بالقوی' (سوالات ابن ابی شیبہ لعلی بن المدینی: النص: ۲۳۴، ص ۱۶۲)

ان دونوں نصوص سے ظاہر ہو گیا کہ جس راوی کے بارے میں 'لیس بالقوی' کہا جائے گا وہ نہ تو ثقہ ہوگا اور نہ ہی ضعیف بلکہ اس کے لئے ان کے درمیان کا درجہ ہوگا، جسے 'صالح الحدیث' کہا جاسکتا ہے۔

(س) امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'طریف بن سلیمان ابو عاتکہ' منکر الحدیث ہیں (التاریخ الکبیر للبخاری، ج ۱ ص ۳۵۷)

منکر الحدیث کا معنی و مفہوم: محدثین کرام کے نزدیک اس لفظ کا معنی مختلف فیہ ہے بعض لوگوں کے نزدیک 'منکر الحدیث' اس راوی

کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے 'منکر الحدیث' فرمایا ہے، خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اس راوی کی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: 'زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس راوی کی حدیث ضعیف ہوگی' (الکتب البدیعات علی الموضوعات، باب فضائل القرآن، ص ۶۳)

دوسری جگہ آپ بغیر کسی قید کے فرماتے ہیں: 'حدیث منکر ضعیف کی قسم سے ہے اور یہ فضائل کے باب میں محتمل ہے۔' (الکتب البدیعات، ص ۳۲۱)

خاتم الحفاظ کے ان دونوں قول سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے قول 'منکر الحدیث' سے حدیث صرف ضعیف ہوگی جو فضائل کے باب میں معتبر بھی ہوگی نہ کہ انتہائی ضعیف جیسا کہ دور جدید کے بعض علما سمجھتے ہیں، یہ اس کے لئے ہے جو تفصیل کو نہ مانے، ورنہ صحیح یہ ہے کہ امام بخاری کے اس قول کو دوسرے محدثین کے اقوال سے تقابل کر کے ہی فیصلہ کیا جائے گا۔

لہذا محققین 'منکر الحدیث' کا لفظ دیکھ کر دھوکا نہ کھائیں؛ کیونکہ جس راوی پر اس قول کا اطلاق کیا جائے ضروری نہیں کہ اس کی حدیث موضوع یا شدید ضعیف ہی ہو۔ بلکہ اس وصف میں محدثین کے اختلاف کے سبب اس کی حدیث کبھی موضوع، کبھی ضعیف اور کبھی حسن بلکہ کبھی صحیح بھی ہو سکتی ہے!!

(۲) متشددین کے اقوال:

بعض محدثین جو شدت پسند ہیں ان کے اقوال 'ابو عاتکہ' کے بارے میں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابو عاتکہ 'لیس بثقة' (الضعفاء والمتر وکین للنسائی، ج ۱ ص ۱۴۴)

محدثین نے امام نسائی رحمہ اللہ کو بھی متشددین میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ حافظ

یہ کذب اور حدیث کے وضع کرنے میں مشہور و معروف ہیں، ان سے حدیث روایت کرنا جائز نہیں، ہاں اگر اس کے کذب کو بیان کرنا ہو تو درست ہے۔

دوسری مثال: دوسری جگہ امام بخاری رحمہ اللہ 'ابراہیم بن اسماعیل

بن ابی حنیبہ' کے بارے میں فرماتے ہیں 'منکر الحدیث' ہیں (التاریخ الکبیر للبخاری، ج ۱ ص ۲۷۱)

ان کے بارے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'ثقة ہیں، اور ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں 'صالح' ہیں، اور ابو حاتم رازی رحمہ اللہ جو امام بخاری رحمہ اللہ کے ہم عصر ہیں انہوں نے ان کی تائید کی ہے مگر ان کے قول میں تفصیل ہے، فرماتے ہیں: 'شیخ لیس بقوی' ان کی حدیث لکھی جائے گی، البتہ ان سے احتجاج درست نہیں، وہ 'منکر الحدیث' ہیں' (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج ۲ ص ۸۳، ۸۴)

اسی راوی کے بارے میں ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'روایت کے باب میں وہ صالح ہیں ایسا ہی یحییٰ ابن معین رحمہ اللہ سے مروی ہے، اور ان کے ضعیف ہونے کے باوجود بھی ان سے حدیث لکھی جائے گی' (الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۲۳۶)

جب اتنا معلوم ہو گیا تو صحیح یہ ہے کہ 'ابو عاتکہ' کے بارے میں آپ کے قول 'منکر الحدیث' کو ان اکثر علماء کے اقوال کے ساتھ لاحق کیا جائے جنہوں نے 'ابو عاتکہ' کے بارے میں فرمایا: 'لیس بالقوی' یا 'یضعف یاضعفہ' وغیرہ، جن کی حدیثیں متابعات و شواہد بن سکتی ہیں۔

اگر کوئی شخص یہ تفصیلات قبول نہ کرے تو اس کے لئے یہی کافی ہے کہ فضائل کے باب میں 'منکر الحدیث' راوی کی حدیث مقبول ہوگی۔ چنانچہ جس راوی

لیس بثقة ہیں، تو اس قول کا تعقب کرتے ہوئے ابن قطن فاسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'امام مالک نے ان کی تضعیف نہیں کی ہے، بس اتنا ہے کہ انہوں نے اس راوی پر لفظ 'ثقة' کا اطلاق مناسب نہیں سمجھا، کیونکہ محدثین لفظ 'ثقة' سے توثیق اسی کی کرتے تھے جو عدل اور ضابطہ ہو۔۔۔۔۔ اور کبھی کبھی 'لیس بثقة' ضعیف اور متروک کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں، لہذا اس لفظ سے جرح کرنے والے کی مراد کیا ہے؟ جس کے بارے میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کے احوال کے اعتبار سے فیصلہ کیا جائے گا' (بیان الوهم والایهام الواقعیین فی کتاب الاحکام لابن القطن، ج ۵، ص ۳۲۵)

ابن قطن فاسی رحمہ اللہ کے بیان کردہ قاندہ کی رو سے جب ہم ابو عاتکہ راوی کے احوال کی طرف نظر کرتے ہیں اور ان کے بارے میں محدثین کے اقوال کی چھان بین کرتے ہیں تو یہ واضح ہو کر سامنے آتا ہے کہ اکثر اعتدال پسند محدثین اسی بات کے قائل ہیں کہ وہ ضعیف ہیں، لہذا یہاں پر امام نسائی رحمہ اللہ نے ابو عاتکہ کے بارے میں جو 'لیس بثقة' فرمایا ہے وہ اسی بات پر محمول ہوگا کہ آپ نے ابو عاتکہ کے بارے میں یہ قول ان کے ضعیف ہونے کی وجہ سے کیا ہے نہ کہ اس وجہ سے کہ وہ متروک الحدیث ہیں۔

(ب) امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'ابو عاتکہ' متروک الحدیث ہیں۔ (الضعفاء الکبیر للعقیلی، ج ۲، ص ۲۳۰)

محدثین کے نزدیک ابو جعفر محمد بن عمرو عقیلی رحمہ اللہ بھی متشددین میں شمار ہوتے ہیں، انہوں نے اپنے اسی تشدد و لعنت ہی کی وجہ سے بڑے بڑے محدثین کو، جو فن حدیث کے امام مانے جاتے ہیں، ضعیف میں شمار کیا ہے، اسی لئے محدثین کرام نے ان کے اس تحامل و تشدد کا بہت سختی سے رد فرمایا ہے۔

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'راوی حبیب المعلم' کی توثیق پر محدثین متفق ہیں، لیکن امام نسائی رحمہ اللہ نے ان کے تعلق سے تشدد برتا ہے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں: 'راوی حسن بن صباح بزار کے بارے میں بھی امام نسائی رحمہ اللہ نے شدت برتی ہے۔ اور ایک جگہ فرماتے ہیں: 'راوی محمد بن بکر برسانی' کو امام نسائی رحمہ اللہ نے بغیر کسی حجت کے 'لین' قرار دیا ہے' (مقدمۃ فتح الباری بشرح صحیح البخاری لابن حجر، ص ۶۱۶، ۶۱۹)

امام ذہبی رحمہ اللہ نے تو صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ امام نسائی باب نقد میں متشدد تھے۔ آپ ان کے تشدد کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: 'راوی عبد اللہ بن وہب مصری مطلقاً حجت ہیں، ان کی حدیثیں صحاح اور دووین اسلام میں کثرت سے موجود ہیں، ان کو ثقہ ماننے کے لئے امام نسائی رحمہ اللہ کی توثیق ہی کافی ہے کیونکہ وہ نقد رجال میں بہت شدت سے کام لیتے تھے' (سیر اعلام النبلاء للذہبی، ج ۹، ص ۲۲۸)

'لیس بثقة' کا معنی و مفہوم: اس لفظ کا درجہ مراتب جرح کے چوتھے درجہ میں آتا ہے، یہ لفظ جب کسی راوی کے بارے میں بولا جاتا ہے تو اس سے مراد یہی ہوتا ہے کہ راوی 'شدید ضعیف' یا 'متروک الحدیث' ہے، خاص کر جب کہ امام یحییٰ ابن معین اور امام نسائی رحمہما اللہ اس لفظ کا کسی راوی کے بارے میں استعمال کریں۔ مگر یہ مراد مطلقاً نہیں ہے کہ جب بھی 'لیس بثقة' کسی راوی کے بارے میں بولا جائے تو وہ 'شدید ضعیف' یا 'متروک الحدیث' ہوگا، کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض ضعیف راوی یا جس کے اندر تھوڑا لین ہو ان کے بارے میں بھی محدثین اس لفظ کا استعمال کرتے ہیں۔

چنانچہ جب امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: 'شعبہ مولیٰ ابن عباس'

ہوتا ہے۔

احمد بن صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'کسی راوی کی حدیث اسی وقت چھوڑی جاتی ہے جب سارے محدثین اس کے ترک پر جمع ہو جائیں، لہذا کبھی کہا جاتا ہے 'فلان ضعیف' لیکن اگر کہا جائے 'فلان متروک' تو یہ اسی وقت بولا جاتا ہے جبکہ جمع محدثین اس راوی کے ترک پر متفق ہو جائیں' (الکفایۃ للخطیب البغدادی ص ۱۸۱، باب القول فی الجرح)

عبدالفتاح ابوغدة رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'لفظ متروک' کی اصل دلالت تو یہی ہے جو احمد بن صالح رحمہ اللہ نے بیان کی ہے، مگر ان کا یہ بیان اس بات سے مانع نہیں کہ کوئی ناقد کسی راوی کے بارے میں 'ثقة' کا قول کرے اور کوئی دوسرا ناقد اسی راوی کو متروک سے متصف کرے، اس کی مثال پیش خدمت ہے: امام شافعی رحمہ اللہ کے شیخ 'ابراہیم بن محمد ابی یحییٰ اسلمی مدنی' کے بارے میں نقاد کے مختلف اقوال ہیں اور وہ یہ ہیں: امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'لا ینتہب حدیثہ، ترک الناس حدیثہ'، یعنی ان کی حدیث نہیں لکھی جائے گی لوگوں نے ان کی حدیث کو ترک کر دیا، اور اسی راوی کے بارے میں بشر بن مفضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے فقہائے مدینہ سے ان کے بارے میں پوچھا تو سب نے یہی کہا کہ وہ 'کذاب' ہیں، اور امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'ترکہ ابن المبارک والناس'، یعنی ابن مبارک رحمہ اللہ اور دوسرے محدثین نے ان سے روایت کرنا چھوڑ دیا، اور امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'وہ متروک الحدیث' ہیں، اور امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ 'متروک' ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ انہیں کے بارے میں فرماتے ہیں: 'کان ثقة فی الحدیث'، یعنی وہ حدیث میں 'ثقة' تھے۔ غالباً اسی کے پیش نظر علامہ علی قاری رحمہ اللہ نے لفظ 'الجمیع' کی تفسیر اپنی کتاب 'شرح شرح النجیہ' میں اکثر سے کی ہے، فرماتے ہیں: 'ولہذا

چنانچہ اپنی عادت کے مطابق عقیلی رحمہ اللہ نے امام علی بن المدینی رحمہ اللہ کو ضعف میں شمار کیا ہے، امام ذہبی رحمہ اللہ ان کے اس عمل پر بڑی شدت سے رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: 'ان کے ثقہ ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ امام الحدیث ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے آپ کی احادیث کو اپنی 'صحیح' میں کثرت سے ذکر کیا ہے۔ اگر علی بن مدینی، امام بخاری، ان کے شیخ عبدالرزاق اور عثمان بن ابی شیبہ وغیرہ کی احادیث کو چھوڑ دیا جائے تو آثار مٹ جائیں گے، زنادقہ کا بول بالا ہو جائے گا، اے عقیلی کیا آپ کے پاس عقل نہیں؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ آپ کس شخصیت کے بارے میں کلام کر رہے ہیں؟ کیا نہیں جانتے ہیں کہ یہ آپ سے کئی درجہ بلند تر ہیں، بلکہ وہ تو بہت سارے ثقات سے اوثق ہیں، پھر بھی آپ نے انہیں اپنی کتاب 'الضعفاء والمترکین' میں شمار کیا آخر کیوں؟ الخ مختصراً۔ (میزان الاعتدال للذہبی، ج ۳ ص ۱۴۰)

امام کوثری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'عقیلی رحمہ اللہ نے ائمہ حنفیہ کی جرح و نقد میں اپنی کتاب 'الضعفاء' میں شدید تحامل سے کام لیا ہے اور یہ صرف ان کے فساد اعتقاد کی وجہ سے ہے، وہ جرح و قدح کے معاملہ میں سب سے زیادہ متشدد ہیں' (حاشیۃ الرفع والتکمیل، ص ۴۰۶)

متروک الحدیث کا معنی و مفہوم: اس لفظ کا درجہ

بھی مراتب جرح کے چوتھے درجہ میں آتا ہے جس کی حدیث شدید ضعیف ہوتی ہے، حالانکہ بعض محدثین کرام اس متروک الحدیث راوی کی حدیث کو بھی صرف ضعف سے متصف کرتے ہیں۔ خیر اس اطلاق سے مراد یہ ہوتی ہے کہ تمام محدثین نے اس سے حدیث لینا ترک کر دیا ہے مگر یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں، کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی راوی اکثر محدثین کے نزدیک متروک ہوتا ہے مگر وہی بعض کے نزدیک ثقہ

، باب المناقب، ص ۲۷۱)

(ت) ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'میں نے اپنے والد گرامی ابو حاتم رحمہ اللہ سے ابو عاتکہ کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: وہ ذاہب الحدیث، ضعیف الحدیث ہیں' (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم، ج ۴ ص ۴۹۴)

ذاهب الحدیث، ضعیف الحدیث کا

معنی و مفہوم

جس راوی کے بارے میں یہ لفظ استعمال کیا جائے اس کی حدیث شدید ضعیف ہوتی ہے اور اس کا مرتبہ مراتب جرح کے چوتھے درجہ میں آتا ہے۔

ابو حاتم محمد بن ادريس رحمہ اللہ کو بھی تشدد میں شمار کیا جاتا ہے:

چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے انہیں متعدد جگہ تعنت و تشدد سے متصف کیا ہے، ان کے بعض اقوال کو یہاں پر ذکر کرتا ہوں، آپ فرماتے ہیں: 'راوی بشیر بن نہیک کے بارے میں ابو حاتم رحمہ اللہ نے 'لا صحیح بہ' کا قول کر کے تشدد برتا ہے۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں: 'ابو حاتم رحمہ اللہ نے 'شجاع بن ولید ابو بدر سکتوی' اور 'عباد بن عباد مہلی' کے بارے میں اپنے تشدد کی وجہ سے کلام کیا ہے' (مقدمۃ فتح الباری، ص ۶۱۶، ۶۱۷)

(ث) علامہ برہان الدین حلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'طریف بن سلمان ابو عاتکہ کو امام ذہبی رحمہ اللہ نے وضع حدیث سے متہم نہیں کیا ہے، ہاں میزان الاعتدال میں اتنا ضرور فرمایا کہ: ابو عاتکہ کو سلیمانی نے ان کی فہرست میں ذکر کیا ہے جو وضع حدیث سے معروف ہیں (الکشف الحثیث عن رومی بوضع الحدیث للکلبی، ص ۱۳۹)

مگر صحیح اور منصفانہ قول یہ ہے کہ ابو عاتکہ 'ضعیف' ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر

کان مذهب النسائی أن لا یترک حدیث الرجل حتی یجتمع الجميع أی اکثر علی ترکہ، ترجمہ: اسی لئے امام نسائی کا مذہب یہ تھا کہ کسی راوی کی حدیث کو نہ چھوڑا جائے جب تک کہ سارے لوگ یعنی اکثر ان کے چھوڑنے پر متفق نہ ہو جائیں (حاشیۃ الرفع والتکمیل ص ۱۴۰، ۱۴۱)

لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ جو راوی متروک ہے، کیا اس کی حدیث شدید ضعیف ہوگی؟ بعض محدثین کرام کے طرز بیان سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اس راوی کی حدیث شدید ضعیف نہیں ہوگی بلکہ صرف ضعیف ہوگی، بعض مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'ابن حبان اور ابن جوزی رحمہما اللہ نے حدیث: ((ان الله عز وجل قرأ (طه) و (يس) قبل ان یخلق آدم)) کو موضوع قرار دیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں، کیونکہ اس حدیث کا راوی اگرچہ اکثر کے نزدیک متروک اور بعض کے نزدیک ضعیف ہیں مگر وضع حدیث سے بری ہیں' (الآلی المصنوعۃ للسیوطی، ج ۱ ص ۱۷)

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'اصح شیعہ امام نسائی رحمہ اللہ کے نزدیک متروک ہیں، لہذا زیادہ سے زیادہ حدیث ضعیف ہے نہ کہ موضوع، امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی اسی کی صراحت کی ہے' (الکتب البدیعات، باب الصلاة، ص ۶۹)

امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: ((اتخذ اللہ ابراہیم خلیلاً... الحدیث)) کو موضوعات میں شمار کیا، اور اس کا سبب بتایا کہ اس حدیث میں ایک راوی جن کا نام 'مسلمہ بن حشبی' ہے انہوں نے اس حدیث کو تہا روایت کیا ہے جو کہ 'متروک' ہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'مسلمہ مذکور کی اگرچہ تضعیف کی گئی ہے مگر وہ کذب سے بری ہیں' (الکتب البدیعات

وضع کرنے والوں کی فہرست میں شمار کیا ہے، ان الفاظ سے مجروح راوی کی حدیث شدید ضعیف ہوتی ہے، ذاہب الحدیث راوی کی حدیث فضائل کے باب میں معتبر ہوگی، البتہ متہم بالکذب کی حدیث خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کے نزدیک معتبر نہیں ہوگی۔

کیا راوی 'ابو عاتکہ' ضعیف ہیں؟

بہر کیف راوی 'ابو عاتکہ' کے بارے میں محدثین کے اقوال پر غور و فکر کرنے کے بعد نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ وہ ضعیف اور ان کی روایت کردہ حدیث ((اطلبوا العلم ولو بالصین)) ضعیف ہے، اس کی دو وجہیں ہیں:

پہلی وجہ: اکثر معتدل محدثین اس بات کے قائل ہیں کہ 'ابو عاتکہ' ضعیف ہیں، اس لئے ان کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہوگی، خاص طور سے اس صورت میں جبکہ بعض متشددین مثلاً امام نسائی اور امام عقیلی رحمہما اللہ کے اقوال بھی صرف ان کے ضعف کی طرف اشارہ کر رہے ہوں۔

دوسری وجہ: جن محدثین کے کلام کی وجہ سے 'ابو عاتکہ' کی حدیث شدید ضعیف کے زمرے میں داخل ہو رہی ہے، ان کا متشددین میں شمار ہوتا ہے یا ایسے ہیں جنہوں نے ان کے بارے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے، جن میں سے بعض ایسے ہیں اگر ان کا قول مطلقاً لے لیا جائے تو بہت سے محدثین اور ان کی احادیث سے محروم ہونا پڑے گا، لہذا بہتر اور سدید رائے یہ ہے کہ متوسطین کے قول کو لیا جائے، چنانچہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب 'معرفة الرواة المتكلم فيهم بما لا يوجب الرد' کے اکثر و بیشتر راویوں کے بارے میں یہی منہج اختیار کیا ہے؛ یعنی متوسطین کے اقوال کو متشددین کے اقوال پر ترجیح دی ہے۔

اور اگر کوئی تشدد اور تعنت کا پیروکار اس بات پر مصر ہو کہ میں تو متشددین کے

عسقلانی رحمہ اللہ جب تمام اقوال کو پیش نظر رکھ کر اپنی مصنف 'تقریب التہذیب' میں ان کو اوسط وصف سے متصف کرنا چاہتے ہیں تو فرماتے ہیں: 'ابو عاتکہ بصری ان کا نام 'طریف بن سلمان' ہے جو کہ ضعیف ہیں، سلیمانی نے ان کے بارے میں مبالغہ سے کام لیا اور انہیں ان لوگوں کی فہرست میں داخل کر دیا جو وضع حدیث سے جانے پہچانے جاتے ہیں (تقریب التہذیب لابن حجر، ص ۷۶)۔

ابو عاتکہ کے بارے میں محدثین کے اقوال کا خلاصہ کلام: اکثر متوسط اور اعتدال پسند محدثین اس بات کے قائل ہیں کہ ابو عاتکہ فقط ضعیف ہیں، انہیں متوسطین میں سے امام بخاری رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے ان کے بارے میں فرمایا کہ وہ 'منکر الحدیث' ہیں جس سے بعض لوگوں کو یہ سمجھ میں آیا کہ ان کی حدیث انتہائی ضعیف ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس سے مجروح شخص کی حدیث عام حالات میں صرف ضعیف ہی ہوتی ہے جیسا کہ تفصیلی بیان گزرا۔ البتہ ان متوسطین کے علاوہ بعض متشدد محدثین نے ان کی جرح ایسے الفاظ سے کی ہے جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ وہ 'شدید ضعیف' ہیں، اور وہ محدثین یہ ہیں: امام نسائی رحمہ اللہ آپ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: 'لیس بثقة' ہیں اور امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'متروک الحدیث' ہیں۔ لیکن اس بحث میں زیادہ بہتر ہے کہ ان دونوں الفاظ کو ابو عاتکہ کے بارے میں ضعیف کا قول کرنے والے محدثین کے ساتھ ضم کر دیا جائے، کیونکہ 'لیس بثقة' کبھی اس راوی کے بارے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جو ضعیف ہوتا ہے، اور جو راوی 'متروک' ہوتا ہے اس کی حدیث بعض محدثین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے، اس لئے ان دونوں الفاظ کو ان اکثر محدثین کے ساتھ ملا دینا زیادہ بہتر ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ 'ابو عاتکہ' ضعیف ہیں۔ امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے 'ابو عاتکہ' کے بارے میں فرماتے ہیں 'ذاہب الحدیث، ضعیف الحدیث' ہیں، اور سلیمانی نے ان کو

اور اسی سبب سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی امام ذہبی کی اتباع کرتے ہوئے انہیں کذاب بتایا، اور مزید اضافہ کیا، آپ فرماتے ہیں: ”مسلمہ بن قاسم نے اس راوی کو الصلۃ میں ذکر کر کے ان کے چند شیوخ کا تذکرہ کیا، اور فرمایا: میں نے ان سے حدیثیں لکھی ہیں، علمائے حدیث کا ان کے بارے میں اختلاف ہے بعض حضرات نے ان کی تضعیف اور بعض نے توثیق کی ہے، میں نے محدثین کو دیکھا کہ وہ ان سے حدیثیں لکھ رہے ہیں تو میں نے بھی ان سے حدیثیں لکھیں اور وہ میرے نزدیک صالح جائز الحدیث ہیں (لسان المیزان لابن حجر، ج ۸ ص ۵۲۵)

امام سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث: ((اطلبوا العلم ولو بالصین)) راوی ابو عاتکہ اور عبید بن محمد سے مروی ہے، مگر حدیث دونوں طریقوں سے ضعیف ہے (المقاصد الحسنة للسخاوی، ص ۷۳)

اور عبید بن محمد کی سند میں ”یعقوب بن اسحاق عسقلانی“ ہیں مگر پھر بھی امام سخاوی رحمہ اللہ نے ان کی حدیث کو صرف ضعیف قرار دیا۔

حافظ المغرب ابن عبد البر رحمہ اللہ ’یعقوب بن اسحاق عسقلانی‘ کی حدیث: ((من حفظ علی امتی أربعین... الحدیث)) جس کو انہوں نے امام مالک سے روایت کیا ہے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس حدیث کی جتنی سندیں وارد ہوئی ہیں ان میں سے احسن سند امام مالک رحمہ اللہ والی ہی سند ہے، مگر یہ حدیث امام مالک رحمہ اللہ سے مشہور و معروف نہیں، جس نے امام مالک رحمہ اللہ سے یہ حدیث روایت کی ہے اس سے اس روایت میں خطا واقع ہوئی، اور ان کی طرف ایسی حدیث کی نسبت کر دی جو ان کی احادیث سے نہیں (جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبد البر ص ۹۶)

حافظ المغرب ابن عبد البر رحمہ اللہ نے یہ حدیث امام مالک رحمہ اللہ کی

اقوال پر ہی عمل کروں گا؛ تو میں اس سے التماس کروں گا ٹھیک ہے آپ کے تشدد کو ہی اختیار کر لیتے ہیں مگر یاد رہے جمہور علماء بلکہ امام نووی رحمہ اللہ نے اجماع کا قول کیا ہے کہ اگر حدیث موضوع نہ ہو تو فضائل میں معتبر ہوگی، لہذا ابو عاتکہ کی حدیث: ((اطلبوا العلم ولو بالصین)) کو اگرچہ شدید ضعیف ہونا تسلیم کر لیا جائے پھر بھی وہ فضائل کے باب میں ہونے کی وجہ سے معتبر ہوگی۔ اگرچہ صحیح یہی ہے کہ ابو عاتکہ کی سند سے روایت کردہ یہ حدیث صرف ضعیف ہے۔

ابو عاتکہ کے علاوہ بعض دوسری سندیں:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا ابو عاتکہ کی سند کے علاوہ کسی ایسی سند کے ساتھ حدیث: ((اطلبوا العلم ولو بالصین)) وارد ہے، جو ابو عاتکہ کی حدیث کے لئے متابع یا شاہد بن سکتی ہے؟ تو جواب ملتا ہے یقیناً اس کی دوسندیں اور ہیں، مگر کیا ان دونوں سندوں کے اندر اتنی قوت ہے جو ابو عاتکہ کی حدیث کو ضعیف سے حسن وغیرہ تک پہنچا دے، تو یہ راز اس وقت عیاں ہوگا جب ان سندوں کا محدثین کے اقوال کی روشنی میں جائزہ لیا جائے۔ آنے والی مندرجہ ذیل سطور میں ان دونوں سندوں پر گفتگو کرنے کی کوشش کرتا ہوں:

پہلی حدیث کی سند: اس پہلی سند کے ساتھ حدیث کی تخریج

حافظ المغرب ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”جامع بیان العلم و فضلہ و ما ینبغی فی روایۃ و حملہ“ میں کی ہے، اس حدیث کی سند کے ایک راوی ’یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم عسقلانی‘ ہیں جو متکلم فیہ ہیں۔

امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کو صرف اس وجہ سے کذاب ٹھرایا، کیونکہ انہوں نے حدیث: ((من حفظ علی امتی أربعین... الحدیث)) کو امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کی (میزان الاعتدال للذہبی، ج ۳ ص ۴۲۹) حالانکہ یہ حدیث ان سے محفوظ نہیں۔

جب صورت حال یہ ہے کہ 'یعقوب بن اسحاق عسقلانی' مختلف فیہ ہیں، بعض نے ان کی توثیق اور بعض نے تضعیف کی ہے، اور بعض نے انہیں 'اربعین' والی حدیث کو امام مالک سے روایت کرنے کی وجہ سے کذاب قرار دیا ہے، حالانکہ اسی 'اربعین' سند کی حدیث کو بعض نے ضعیف بتایا ہے۔ تو اب 'یعقوب بن اسحاق عسقلانی' سے مروی حدیث: ((اطلبو العلم ولو بالصین)) کی سند کا حکم کیا ہوگا؟ نیز کیا یہ سند ابو عاتکہ کے حدیث کی متابع یا شاہد بن سکتے گی؟

'یعقوب بن اسحاق عسقلانی' کے بارے میں محدثین کے اقوال چونکہ مختلف ہیں اس لئے ان کی حدیث صرف ضعیف ہوگی، البتہ ان کی یہ حدیث 'ابو عاتکہ' کی حدیث کے متابع یا شاہد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، کیونکہ وہ بعض کے نزدیک کذاب ہیں، ہاں اس کی قوت میں کچھ اضافہ ضرور کرتی ہے۔

دوسری حدیث کی سند: اس حدیث کی سند کا ذکر امام ذہبی رحمہ اللہ نے 'میزان الاعتدال' میں کیا ہے، اس کی سند میں ایک راوی 'احمد بن عبد اللہ جوہری' ہیں جو محدثین کے نزدیک کذاب ہیں (لسان المیزان لابن حجر، ج ۱ ص ۴۹۴)

اس لئے ان کی یہ حدیث بھی 'ابو عاتکہ' کی حدیث کے لئے متابع یا شاہد نہیں بن سکتی۔

ابن جوزی رحمہ اللہ پر تعقیبات:

خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے پہلے اپنی کتاب 'اللالی المصنوعہ' میں ابن جوزی رحمہ اللہ کی کتاب 'الموضوعات' پر تفصیل کے ساتھ تعقب فرمایا، پھر آپ نے اس کی تلخیص کی جو 'التعقیبات' اور 'الکتب البدیعات' کے نام سے مشہور ہوئی۔

سند سے روایت کرنے والے شخص کو صرف 'مخطی' قرار دیا ہے، اور وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے 'یعقوب بن اسحاق عسقلانی' یا کوئی دوسرا راوی، کیونکہ آپ نے اس سند کے خاٹی راوی کی تعیین نہیں کی ہے۔

امام زین الدین عراقی رحمہ اللہ 'احیاء العلوم' میں وارد شدہ اس حدیث کی تخریج کر کے فرماتے ہیں: 'حافظ المغرب ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔' (تخریج احیاء العلوم للعراقی، ج ۱ ص ۵، جامع بیان العلم وفضلہ ص ۹۵)

'یعقوب بن اسحاق عسقلانی' کے بارے میں ائمہ کرام کے اقوال کا خلاصہ: امام ذہبی اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے انہیں ((من حفظ علی امتی اربعین... الحدیث)) حدیث روایت کرنے کی وجہ سے کذاب قرار دیا، مگر مسلم بن قاسم نے فرمایا: 'بعض لوگوں نے ان کی توثیق کی ہے اور بعض نے تضعیف کی ہے، وہ میرے نزدیک 'صالح جائز الحدیث' ہیں۔ امام سخاوی رحمہ اللہ نے ان کی روایت کردہ حدیث: ((اطلبو العلم ولو بالصین)) کی سند کو صرف ضعیف قرار دیا، اسی طرح ابن عبد البر رحمہ اللہ نے 'اربعین' والی حدیث جس میں 'یعقوب بن اسحاق عسقلانی' ہیں ان کی روایت کو صرف ضعیف قرار دیا، اور امام مالک رحمہ اللہ سے حدیث کے روایت کرنے والے کو خاٹی بتایا، مگر اس راوی کا نام واضح نہیں کیا بلکہ 'مہم رکھا، مگر چونکہ میری نظر میں اس حدیث کی سند میں متکلم فیہ 'یعقوب بن اسحاق عسقلانی' ہی ہیں، اس لئے زیادہ امید ہے کہ انہیں کی طرف آپ نے یہ خطا منسوب کی ہوگی، پھر بھی وہ ابن عبد البر رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف ہی ہیں، امام زین الدین عراقی رحمہ اللہ نے بھی ابن عبد البر رحمہ اللہ کی اتباع کرتے ہوئے ان کی حدیث کو صرف ضعیف ہی قرار دینے پر اکتفا کیا۔

یہ اسی وقت حکم لگے گا جب کہ یہ حدیث 'مسند ابی یعلیٰ' میں اس سند کے ساتھ مذکورہ بالا متن مل جائے۔ (راقم الحروف کو مصر کی بعض لائبریری میں یہ کتاب نہیں ملی ان شاء اللہ ملنے پر حکم واضح کیا جائے گا)۔ نیز خاتم الحفظ نے جو یہ فرمایا: 'اس حدیث کے کئی طرق ہیں جس کے مجموعہ سے حدیث مرتبہ حسن تک پہنچ جائے گی'۔ ان کی اس عبارت سے مراد حدیث کا پہلا جز یعنی: ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) ہے یا دوسرا جز: ((طلب العلم... الحدیث)) ہے، احتمال تو دونوں کا ہے؛ مگر خاتم الحفظ کی عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مراد اس سے جز ثانی ہے، مگر جب ہم 'کشف الخفاء' کی عبارت پر غور کرتے ہیں تو یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ خاتم الحفظ کی عبارت سے جزء اول مراد ہونا چاہیے، 'کشف الخفاء' کی عبارت کا مفہوم مندرجہ ذیل ہے:

علامہ عجلونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث: ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) امام بیہقی اور خطیب بغدادی اور ابن عبد البر اور دیلمی وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے، جو کہ ضعیف ہے؛ بلکہ ابن حبان نے کہا کہ یہ باطل ہے، اور ابن جوزی نے اس کو 'الموضوعات' میں شمار کیا ہے؛ مگر ابن جوزی رحمہ اللہ کی اس بات کا ماننا مشکل ہے، کیونکہ امام مزنی رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: اس حدیث کے متعدد طرق ہیں جس کی وجہ سے حدیث درجہ حسن تک پہنچ سکتی ہے۔ اور امام ذہبی رحمہ اللہ 'تلیخیص الواہیات' میں فرماتے ہیں: یہ حدیث متعدد واہی طرق سے روایت کی گئی ہے، اس کے بعض طرق صالح بھی ہیں، اور ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے؛ جس کے الفاظ: ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) ہیں۔۔۔۔۔ پھر امام عجلونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جملہ ثانیہ یعنی: ((طلب العلم... الحدیث)) کا ذکر بعد میں

ابن جوزی رحمہ اللہ نے 'ابوعاتکہ' کی حدیث: ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) کو موضوعات سے شمار کیا ہے، خاتم الحفظ نے اس حدیث پر اپنی کتاب 'الکتب البدیعات' میں جو تعقب کیا ہے اس میں کچھ اضافہ ہے، اس لئے اس کی عبارت کا مفہوم پیش کرتا ہوں، آپ فرماتے ہیں: 'امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی اپنی کتاب 'شعب الایمان' میں 'ابوعاتکہ' کے طریق سے تخریج کی ہے، وہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا متن مشہور اور اسناد ضعیف ہے، خاتم الحفظ فرماتے ہیں: 'ابوعاتکہ' ترمذی کے رجال سے ہیں جو کذب سے 'متہم' نہیں، اور مجھے اس حدیث کی ایک متابع ملی ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کو ابویعلیٰ رحمہ اللہ نے اپنی 'مسند' اور ابن عبد البر رحمہ اللہ نے 'جامع بیان العلم و فضلہ' میں کثیر بن شظیر عن ابن سیرین عن انس' کے طریق سے تخریج کیا ہے، (راقم الحروف کو جامع بیان العلم و فضلہ میں یہ سند تو ملی مگر اس میں ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) کے الفاظ نہیں ہیں) نیز اس متن کی تخریج ابن عبد البر رحمہ اللہ نے 'عبید بن محمد الفویابی عن سفیان بن عیینہ عن الزہری عن انس' کے طریق سے بھی کی ہے، اور نصف ثانی یعنی: ((فان طلب العلم فريضة على كل مسلم)) کی تخریج ابن ماجہ نے اپنی سنن میں کی ہے، اور اس حدیث کے کئی طرق ہیں جس کے مجموعی سند سے یہ حدیث مرتبہ حسن تک پہنچ جائے گی (الکتب البدیعات للسیوطی، ص ۴۳، ۴۴)

خاتم الحفظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے پتہ چلا کہ 'ابوعاتکہ' کی حدیث: ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) کی ایک متابع بھی ہے جو 'کثیر بن شظیر عن ابن سیرین عن انس' کے طریق سے تخریج کی گئی ہے، جس کی وجہ سے حدیث: ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) حسن لغیرہ ہو سکتی ہے، مگر

اس تحقیق میں بعض غلطیاں در آئی ہیں جس کو احقاق حق کے لئے واضح کرنا ضروری ہے، اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'ابن حبان اور دیگر کئی ناقدین نے اس کے موضوع ہونے کا فیصلہ سنا دیا ہے۔ تعقب: یہ خالص دعویٰ بلا دلیل ہے، اس طرح کے دیگر دعاوی 'جام نوز' کے قارئین کو ان کے احادیث موضوعہ پر لکھے گئے مضمون میں ملیں گے، مثال کے طور پر ایک جگہ فرماتے ہیں: 'حدیث: ((الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ)) کافی تلاش کے باوجود یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔ کس طور سے کافی تلاش و جستجو کی گئی اور محقق صاحب کو یہ حدیث نہیں ملی میری سمجھ سے باہر ہے، کیونکہ خدا کا شکر ہے جب میں نے ان کا مضمون پڑھا اسی وقت میرے حاشیہ ذہن میں یہ بات آگئی تھی کہ یہ حدیث کتاب 'اللاالی المصنوعہ' (اللاالی المصنوعہ للسیوطی، ج ۱ ص ۱۲۰) مطالعہ کرتے وقت نظر سے گزر چکی ہے، جس کا محقق رحمہ اللہ نے حوالہ بھی دیا ہے، تعجب ہے محقق رحمہ اللہ کو کافی جستجو کے بعد بھی یہ حدیث نہیں ملی، اگرچہ جو کتاب محقق رحمہ اللہ کے زیر مطالعہ ہے اسی میں مطلوبہ حدیث موجود ہے! راقم الحروف کو تھوڑی سی کوشش کے بعد بلفظ اور تقدیم و تاخیر کے ساتھ اس حدیث کے دیگر مراجع ملے، اختصار کے پیش نظر بعض کتابوں کے حوالے پیش کر دیتا ہوں، دیکھیں:

(۱) المقاصد الحسنة للسخاوی، ص ۲۶۴، مطبع: دار الکتاب العربی (۳)

الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة لعلی القاری، ص ۳۳۹- (۴) المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع لعلی القاری، ص ۱۱۵، مطبع: دار البشائر الاسلامیة (۴) تنزیہ الشریعة المرفوعة لابن عراق الکنانی ج ۱ ص ۱۹۴، مطبع: المکتبة التوفیقیة، مصر وغیرہ۔ محقق رحمہ اللہ نے بھی پہلی تین کتابوں کا اپنے مضمون میں حوالہ پیش کیا ہے مگر انہیں کافی تلاش و

آئے گا جس کی تخریج ابن ماجہ وغیرہ نے کی ہے (کشف الخفاء للعجلونی ج ۱ ص ۱۵۴) اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ امام مزنی اور امام ذہبی رحمہما اللہ کا قول حدیث: ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) کے بارے میں ہی ہے، یہاں پر حدیث کا جملہ ثانیہ: ((طلب العلم الحدیث)) مراد نہیں ہو سکتا، کیونکہ علامہ عجلونی رحمہ اللہ امام مزنی اور امام ذہبی رحمہما اللہ کا قول: ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) کے بارے میں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: 'جملہ ثانیہ کا ذکر بعد میں آئے گا جس کی تخریج ابن ماجہ وغیرہ نے کی ہے۔'

اس لئے میری رائے یہ ہے کہ خاتم الحفظ کی اس عبارت سے اس حدیث کے کئی طرق ہیں جس کے مجموع سے حدیث مرتبہ حسن تک پہنچ جائے گی؛ جز اول مراد ہونا چاہئے، اور اگر کوئی ان کی عبارت سے جزء اول مراد ہونا تسلیم نہ کرے تو نہ کرے، مگر اسے علامہ عجلونی رحمہ اللہ کی عبارت تو تسلیم کرنی ہی پڑے گی، کیونکہ ان کی عبارت میں اس بات کی صراحت ہے کہ امام مزنی اور امام ذہبی رحمہما اللہ نے حدیث: ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) کے بارے میں ہی فرمایا ہے کہ: اس کے متعدد طرق ہیں جس کی وجہ سے یہ حدیث درجہ حسن تک پہنچ سکتی ہے یا یہ کہ اس کے بعض طرق صالح ہیں، اور یہی میرے نزدیک صحیح اور درست ہے جب تک کہ اس کے خلاف کوئی مضبوط دلیل نہ مل جائے۔

محقق عصر کا تعاقب:

چند ماہ قبل عصر حاضر کے محقق، اصول حدیث کی نزاکتوں سے واقف، محدثین کے سارے اصول و ضوابط کو پیش نظر رکھنے والے قابل احترام محقق - بقول محترم خوشتر نورانی صاحب قبلہ - (یعنی شہید بغداد علامہ اسید الحق رحمہ اللہ) نے حدیث: ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) پر اپنی تحقیق پیش کی تھی، محقق صاحب کی

’متکلم فیہ‘ کہہ کر رد کرنا درست نہیں، کیونکہ ایسے کتنے راوی ہیں جو ’متکلم فیہ‘ ہیں مگر ان کی حدیثیں صحیحین میں مذکور ہیں، بلکہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے تو اپنی کتاب: ’معرفة الرواة المتکلم فیہم بما لا یوجب الرد‘ میں ۳۹۶ راویوں کو ذکر کیا ہے، کتاب کے نام سے امام ذہبی رحمہ اللہ کا مقصد واضح ہے۔

محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’یعقوب بن اسحاق کو ذہبی نے کذاب کہا ہے۔ تعقب: محقق رحمہ اللہ کو امام ذہبی رحمہ اللہ کا قول نظر آ گیا اور اس کو نقل کر دیا؛ مگر آں جناب کو ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کی عبارت جو ’الذی المصنوع‘ میں مذکور ہے وہ نظر نہیں آئی؛ کیونکہ اس عبارت میں ابن حجر رحمہ اللہ نے ’یعقوب بن اسحاق‘ کے بارے میں مسلمہ بن قاسم رحمہ اللہ کے ذریعہ بعض محدثین کی توثیق بھی نقل کی ہے جس میں خود مسلمہ بن قاسم رحمہ اللہ نے اپنی رائے بھی پیش کی ہے، فرماتے ہیں: ’وہ میرے نزدیک ’صالح جائز الحدیث‘ ہیں۔ اگر ابن حجر رحمہ اللہ بھی چاہتے تو صرف ’کذاب‘ ہی کہنے پر اکتفا کرتے، مگر انہیں معلوم تھا کہ علمی خیانت بھی ایک جرم ہے جس سے بچنا ضروری ہے، اس لئے انہوں نے اس ناقد کا بھی قول ذکر کر دیا جس نے ان کی توثیق کی تھی۔

محقق رحمہ اللہ نے حدیث: (اطلبوا العلم و لو بالصین)) کو ’کان‘ کے اضافہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ تعقب: میں نے اب تک جتنی کتابیں پڑھی ہیں اس میں اس لفظ کا وجود نہیں، بلکہ محقق صاحب نے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے اس میں بھی دو در دو تک اس لفظ کا پتہ نہیں، اگر یہ لفظ محقق رحمہ اللہ کی نظر سے کہیں کسی معتمد کتاب میں گزرا ہو تو میرے علم میں بھی اضافہ فرمائیں۔ محقق رحمہ اللہ کے مقالہ ’تقریروں میں موضوع روایات ایک لمحہ فکریہ‘ میں دوسری جگہیں بھی تحقیق طلب ہیں؛ مگر تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

جستجو کے بعد بھی مذکورہ بالا حدیث نہیں مل سکی تعجب در تعجب ہے!!! محقق رحمہ اللہ سے عریضہ ہے کہ ابن حبان رحمہ اللہ کے علاوہ دیگر کئی ناقدین جنہوں نے اس حدیث یعنی: ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) کو موضوع قرار دیا ہے، بیان کر کے میرے اور دوسرے لوگوں کے علم میں اضافہ فرمائیں۔

اور فرماتے ہیں: ’ابن جوزی نے دو سندیں بیان کی ہیں ایک میں ’حسن بن عطیہ‘ ہیں اور دوسرے میں ’ابوعاتکہ‘ اور دونوں ’متکلم فیہ‘ ہیں۔ تعقب: یہ بھی غلط ہے کیونکہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے تین سندیں ذکر کیں ہیں یا پھر ایک، اگر اصل سند کا اعتبار کیا جائے تو ایک ہی سند ہے اور فرعی سندوں کا اعتبار کیا جائے تو تین سندیں ہیں، کیونکہ ان کی ذکر کردہ سندوں کی اصل ’ابوعاتکہ‘ ہی ہیں۔ دو فرعی سندوں میں ’حسن بن عطیہ کوفی‘ اور ایک میں ’خالد بن خیاط‘ نے ’ابوعاتکہ‘ سے حدیث کو روایت کیا ہے، اور جس سند میں بھی ’حسن بن عطیہ کوفی‘ ہیں اس میں ’ابوعاتکہ‘ ضرور ہیں، ایسا نہیں ہے کہ کوئی سند ابن جوزی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہو جس میں ’حسن بن عطیہ کوفی‘ تو ہوں مگر اس میں ’ابوعاتکہ‘ نہ ہوں، جیسا کہ محقق رحمہ اللہ کی عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے۔ نیز تحقیق کے باب میں کسی ناقد کی جرح کو کسی راوی کے بارے میں ذکر کرنے کے بجائے ’متکلم فیہ‘ کہہ کر گزر جانا مناجیح محدثین سے ناواقفیت کی دلیل ہے، کیونکہ جب ناقد نے ’مہم‘ نہیں رکھا تو کسی محقق کو کیا حق بنتا ہے کہ اسے وہ ’مہم‘ پیش کرے۔

’حسن بن عطیہ کوفی‘ کو ’متکلم فیہ‘ کہہ کر حدیث کو رد کرنا عجیب و غریب ہے؛ کیونکہ وہ کذاب یا وضاع نہیں بلکہ وہ ’صدوق‘ ہیں جس کی روایت کردہ حدیث حسن لذاتہ ہوتی ہے، شاید محقق رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ حدیث حسن لذاتہ ہو لیکن پھر بھی ان کے نزدیک اس پر عمل کرنا بہتر نہ ہو۔ بلکہ کسی بھی راوی کو صرف

فہرست مصادر

- (۱) الارشاد الی کیفیتہ دراستہ الاسناد لرضاز کربیا۔
- (۲) الاسامی والکنی، لابی احمد الحاکم۔
- (۳) بیان الوهم والایهام الواقعیین فی کتاب الاحکام لابن القطان۔
- (۴) التاریخ الکبیر للنجاشی، مطبع، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔
- (۵) تقریب التہذیب لابن حجر، مطبع: دار الحدیث، القاہرہ، مصر۔
- (۶) تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی، مطبع: دار الفکر۔
- (۷) تنقیح التحقيق فی احادیث التعلیق لمحمد بن احمد عبدالہادی الحسنبلی، مطبع: دار اضواء السلف، الریاض۔
- (۸) تخریج احیاء العلوم للعراقی۔
- (۹) جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر، مطبع: دار ابن حزم۔
- (۱۰) المرح و التعریر لابن ابی حاتم، مطبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔
- (۱۱) حاشیۃ الرفع والکمیل۔
- (۱۲) سنن الترمذی۔
- (۱۳) سوالات ابن ابی شیبہ لعلی بن المدینی، مطبع: مکتبۃ المعارف، الریاض۔
- (۱۴) سیر اعلام النبلاء للذہبی، مطبع: مؤسسۃ الرسالۃ۔
- (۱۵) شرح علل الترمذی لابن رجب الحسنبلی، مطبع: عالم الکتب۔
- (۱۶) شعب الایمان للبیہقی، مطبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔
- (۱۷) الضعفاء الکبیر للعلقبلی، مطبع: دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان۔

خلاصہ بحث:

(۱) امام ابن جوزی رحمہ اللہ کی کتاب ”الموضوعات“ میں کسی حدیث کا ہونا اس بات پر دلالت نہیں کہ حدیث موضوع ہے، ہاں اگر کسی ناقد حدیث نے ان کی کتاب میں موجود حدیث کے موضوع ہونے کا قول کیا ہے تو اس صورت میں وہ حدیث موضوع قرار دی جاسکتی ہے۔ (۲) ’ابوعاتکہ‘ سے روایت کرنے والے شخص ’حسن بن عطیہ کوفی‘ صدوق ہیں نہ کہ ضعیف، ہاں ان کے ہم نام ’حسن بن عطیہ عوفی‘ وہ ضرور ضعیف ہیں۔ (۳) امام ابن حبان رحمہ اللہ نقد احادیث ورجال میں متشدد و متساہل ہیں۔ (۴) حدیث: ((اطلبوا العلم و لو بالصین)) (۱) امام مزی اور امام ذہبی رحمہما اللہ کے اقوال کی روشنی میں تعدد طرق کی وجہ سے حسن یا صالح ہے (ب) ’ابوعاتکہ‘ اور ’یعقوب بن اسحاق عسقلانی‘ کی روایت کے اعتبار سے حدیث ضعیف ہے یا شدید ضعیف نہ کہ موضوع، بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان دونوں سندوں کے اعتبار سے بھی حدیث صرف ضعیف ہے جیسا کہ دلائل وبراہین سے واضح ہو چکا۔ بہر صورت حدیث تعدد طرق کے اعتبار سے حسن ہے، اور اگر حدیث کو ضعیف ہی مان لیا جائے جب بھی اس پر عمل کرنا درست ہوگا کیونکہ یہ حدیث فضائل کے باب میں ہے، اور اس میں حدیث ضعیف بھی مقبول ہوتی ہے، لہذا کسی محقق کا یہ کہنا کہ اس حدیث کو بیان کرنے میں احتیاط کرنا چاہئے بلاوجہ ہے۔ ہذا ما ظہر لی واللہ اعلم بالصواب۔

حدیث مشہور

((حب الوطن من الايمان))

ایک تحقیقی جائزہ

بسم الله الرحمن الرحيم

وطن اس مکان یا جگہ کا نام ہے؛ جہاں انسان اقامت پذیر ہوتا ہے، انسان جب اس جگہ پر اپنی قیمتی زندگی کا کچھ اہم حصہ گزار لیتا ہے؛ تو اسے اس جگہ اور وہاں کی عمارتوں اور اس کے گرد و نواح رہنے والے افراد سے فطری طور پر کافی انسیت اور محبت پیدا ہو جاتی ہے؛ اسی لئے جب کوئی انسان کسی ضرورت کے پیش نظر وطن سے دور ہوتا ہے؛ تو اس کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ جلد سے جلد اپنے وطن عزیز کو واپس ہو جائے، اور اس محبت میں کوئی قباحت بھی نہیں؛ کیونکہ اس کا ثبوت صحیح حدیث نبوی سے ملتا ہے، جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو وطن سے محبت کرنے کا حق دیا ہے۔ وطن سے محبت کرنے کے بارے میں جو حدیثیں وارد ہوئیں ہیں، ان میں سے ایک حدیث مشہور: ((حب الوطن من الايمان)) بھی ہے، جس کا معنی ہے: ((وطن سے محبت ایمان کی علامت ہے)) بعض علمائے کرام آج بھی اسے اپنے مقالوں یا تقریروں میں وطن سے محبت کرنے کے تعلق سے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں، میں علمائے حدیث کے اقوال زریں کی روشنی میں اس حدیث کا حکم واضح کرنے کی کوشش کروں گا۔ آیا حدیث صحیح ہے یا حسن؟ ضعیف ہے یا موضوع؟ تاکہ ان پر ظاہر و باہر ہو جائے کہ اس حدیث کو اپنے موقف کے لئے دلیل بنانا کہاں تک صحیح ہے، اور کہاں تک غلط۔ ان شاء اللہ آنے والی سطروں میں پہلے اس حدیث کے بارے میں جرح کرنے

(۱۸) الضعفاء والمترکین للنسائی، مطبع: مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، بیروت، لبنان)

(۱۹) العلل ومعرفۃ الرجال، مطبع: المکتبۃ الاسلامیۃ، ترکیا، استنبول۔

(۲۰) الکشف فی معرفۃ من لہ روایۃ فی الکتب الستہ للذہبی، مطبع: دار الیسر للنشر، المدینۃ المنورۃ۔

(۲۱) اکامل لابن عدی، مطبع: دار الفکر، بیروت، لبنان۔

(۲۲) الکشف الحثیث عن رمی بوضع الحدیث الحکمی، مطبع: عالم الکتب، بیروت، لبنان)

(۲۳) کشف الخفاء للعجلونی، مطبع: دار التراث، القاہرۃ، مصر۔

(۲۴) الکفایۃ للخطیب البغدادی۔

(۲۵) اللالی المصنوعۃ للسیوطی، مطبع: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔

(۲۶) لسان المیزان لابن حجر۔

(۲۷) الولو المرصوع للقاوچی، مطبع: دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت۔

(۲۸) المقاصد الحسنۃ للسخاوی، مطبع: دار الکتب العربی، بیروت۔

(۲۹) مقدمۃ فتح الباری بشرح صحیح البخاری لابن حجر، مطبع: دار الحدیث۔

(۳۰) مقدمۃ التکت البدیعات علی الموضوعات، مطبع: دار الجحان۔

(۳۱) المعنی فی الضعفاء للذہبی۔

(۳۲) الموضوعات لابن الجوزی، مطبع: مکتبۃ السلفیۃ، المدینۃ المنورۃ)

(۳۳) میزان الاعتدال للذہبی، مطبع: دار المعرفۃ، بیروت، لبنان)

(۳۴) نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر، مکتبۃ الرحاب، مصر۔

(۳۵) التکت علی کتاب ابن الصلاح لابن حجر، مطبع: المکتبۃ التوفیقیۃ، مصر۔

(۳۶) التکت البدیعات علی الموضوعات، مطبع: دار الجحان۔

(الف) حدیث صحیح: عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے وہ مرفوع روایت کرتے ہیں: ((ان الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من العباد، ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى اذا لم يبق عالما اتخذ الناس رؤوسا جهالا، فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا وأضلوا)) أخرجه البخاری و مسلم و غیرہما۔

(ب) حدیث حسن: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((طلب العلم فريضة على كل مسلم)) أخرجه ابن ماجه في سننه۔

(ج) حدیث ضعیف: ((اطلبوا العلم ولو بالصين)) أخرجه البخاری فی تاریخہ و غیرہ (التحقیق والایضاح لمحمد ابوعمارہ ص ۲۵-۲۸) دکتور مصطفیٰ محمد ابوعمارہ استاذ الحدیث جامعۃ الازہر الشریف کی تحقیق کے مطابق اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے؛ مگر حقیقت یہ ہے کہ حدیث حسن ہے، جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب: "النکت البدیعات" میں فرمایا ہے؛ کیونکہ اس کے متعدد ضعیف طرق ہیں؛ جس کی وجہ سے یہ حدیث درجہ ضعیف سے ارتقا کر کے حسن تک پہنچ جاتی ہے۔

دوسری قسم: وہ حدیث جو لوگوں کی زبان زد ہو خواہ اس کی ایک سند ہو، یا ایک سے زائد؛ بلکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حدیث مشہور تو ہوتی ہے مگر اس کی کوئی سند ہی نہیں ہوتی (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر لابن حجر، ص ۳۲)

اس قسم کی بعض مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) حدیث صحیح: ((المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ، و المهاجر من ہجر ما نفی اللہ عنہ)) أخرجه البخاری و مسلم

والے محدثین کے اقوال ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ارتقاء کرتے ہوئے ترتیب کے ساتھ پیش کرونگا۔ پھر ان علمائے محدثین کے اقوال ذکر کرونگا جنہوں نے اس حدیث کے معنی کی کسی ناچیز سے تو تائید کی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ان کی اصطلاحات مثلاً "الأصل لہ" وغیرہ کے معانی صاف الفاظ میں بیان کروں گا؛ تاکہ قارئین کرام کو آسانی کے ساتھ بحث سمجھ میں آجائے۔ فارجو اللہ تعالیٰ ان یہدینا الی سوا الطریق بجاہ سیدنا محمد ﷺ۔ آمین۔

مگر حدیث مذکور کے بارے میں علمائے حدیث کے اقوال ذکر کرنے سے پہلے مناسب سمجھتا ہوں کہ حدیث مشہور کا حکم بیان کر دوں؛ کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جب وہ حدیث کے ساتھ مشہور کا لفظ سنتے ہیں؛ تو اپنی نادانی کی وجہ سے ان کا ذہن یہی کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، حالانکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے؛ کیونکہ حدیث کے مشہور ہونے کو صحت لازم نہیں۔ مندرجہ ذیل میں حدیث مشہور کی تعریف اور اس کے اقسام مثال کے ساتھ سہل انداز میں بیان کرتا ہوں:

حدیث مشہور کی تعریف: امام الحدیث ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "هو الحدیث الذی روی بطرق محصورة باكثر من اثنين ولم يبلغ حد التواتر" ترجمہ: حدیث مشہور وہ حدیث ہے جس کے روای معین اور محدود ہوں اس طور سے کہ ہر طبقہ میں دو سے زیادہ روای ہوں اور ان روایوں کی تعداد حد تواتر تک نہ پہنچی ہو (نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر لابن حجر العسقلانی، ص ۳۱)

حدیث مشہور کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: جس کے طرق دو سے زائد ہوں، اس قسم کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

میں 'لم أقف عليه' یا اس کے ہم معنی قول کیا ہے:

(الف) امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث: ((حب الوطن من الايمان)) 'لم أقف عليه' (الدرر المنشرة فی الأحادیث المشتهرة لجلال الدین السیوطی، ج ۱ ص ۹)

(ب) امام بدر الدین زکشی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اس کے قائل ہیں؛ چنانچہ ابوالحسن محمد بن خلیل قاوقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث: ((حب الوطن من الايمان)) قال الزرکشی کالسخاوی: 'لم أقف عليه' (الؤلؤ المرصوع فیما لا أصل له واصلہ موضوع للقاوقی، ص ۷۲)

(ج) علامہ مرعی بن یوسف کرمی مقدسی ازہری حنبلی فرماتے ہیں: حدیث ((حب الوطن من الايمان)) قال بعضهم: 'لم أقف عليه' (الفوائد الموضوعية فی الاحادیث الموضوعية لمرعی بن یوسف الکرمی، ص ۱۰۳)

(د) امیر مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((حب الوطن من الايمان)) 'لم یعرف' (الختیة السھیة فی الاحادیث المکذوبة لئامیر المالکی ج ۱ ص ۵۲)

(ه) علامہ نور الدین ابوالحسن سہودی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث: ((حب الوطن من الايمان)) قال الحافظ ابن حجر: 'لم أقف عليه' (الغماز علی المماز فی الموضوعات المشہورات للسہودی، ص: ۹۷)

(و) امام زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((حب الوطن من الايمان)) 'لا أعرفه' (مختصر المقاصد الحسنة للزرقانی، ص: ۱۱۱)

محدثین کے نزدیک 'لم أقف عليه' کا مفہوم:

'لم أقف عليه' اور اس کے مثل دوسرے الفاظ مثلاً 'لا أعرفه' و'لم أجد له أصلاً' اور 'لا یعرف' وغیرہ اگر کسی مشہور و معروف ناقد سے کسی حدیث

رحمہما للہ تعالیٰ.

(ب) حدیث حسن: ((المستششار مؤتمن)) أخرجه الترمذی

و حسنه .

(ج) حدیث ضعیف: ((نية المؤمن خیر من عمله)) أخرجه

الطبرانی و غیرہ.

(د) حدیث موضوع: ((الباذ نجان لما أكل له)) امام جلال الدین

سیوطی رحمہ اللہ اس جیسی اور دوسری حدیثوں کو مثال میں پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "كلها باطلة لا أصل له" یعنی یہ ساری حدیثیں باطل موضوع ہیں ان کی کوئی اصل نہیں (تدریب الراوی لجلال الدین السیوطی ص ۲۲۳-۲۲۹)

امام سخاوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "و قد یشتهر بین الناس أحادیث

ھی موضوعة بالکلیة و ذلک کثیر جد ا" ترجمہ: اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بہت سی حدیثیں لوگوں کے درمیان مشہور ہوتی ہیں؛ جو موضوع ہوتی ہیں، اور یہ کثرت سے پائی جاتی ہیں (فتح المغیث للسخاوی، ج ۳ ص ۳۵)

مذکورہ بالا بیان سے روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ حدیث مشہور صرف

صحیح نہیں ہوتی بلکہ حسن ضعیف اور موضوع بھی ہوتی ہے۔ اب اصل موضوع کی طرف آتے ہیں:

حدیث: ((حب الوطن)) کے بارے میں

ناقدين کے اقوال:

حدیث: ((حب الوطن من الايمان)) کے بارے میں علمائے

محدثین کے مختلف اقوال ملتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ان علمائے محدثین کے اقوال جنہوں نے حدیث مذکور کے بارے

حدیث کے بارے میں تحقیق و تدقیق کی گئی اور وہ اہل فن کے پاس جنہوں نے اپنے سینوں میں حدیثیں محفوظ کر رکھی ہیں اور مصنفات میں نہ مل سکیں تو اس حدیث کا موضوع ہونا قطعی ہے۔ ایسا ہی صاحب ”المعتمد“ نے بھی فرمایا ہے، امام عز بن جماعہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایسی صورت میں یہ کہنا کہ حدیث قطعی طور پر موضوع ہے قابل قبول نہیں، ہاں ظن غالب ضرور ہے کہ وہ حدیث موضوع ہے (تدریب الراوی، النوع الحادی والعشرون، ص ۲۴۱)

اسی کے قائل امام ابن عراق کتانی اور حافظ علائی رحمہما اللہ بھی ہیں۔ اس باب میں جن علمائے حدیث و نقاد کے اقوال پر اعتماد کیا جائے گا ان میں سے بعض کے اسماء ذکر کئے جاتے ہیں۔ بعض منتقدین کے اسماء یہ ہیں: امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی، یحییٰ بن معین وغیرہم۔ عبدالفتاح ابو غدة رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان منتقدین کی طرح بعض متاخرین بھی ہیں جن کے اقوال پر اعتماد کیا جائے گا مثلاً: حافظ ضیا مقدسی، ابن صلاح، ابن حجر، سخاوی، سیوطی وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ (تذریۃ الشریعۃ المرفوعۃ لابن عراق الکتانی، ج ۱۳ ص ۱۳، مقدمۃ المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع للامام علی القاری ص ۲۵-۲۷-۳۸-۴۲)

(۲) ان علمائے محدثین کے اقوال جنہوں نے حدیث مذکور کے بارے میں ’لا أصل له‘ کا قول کیا ہے:

(الف) علامہ علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث: ((حب الوطن من الايمان)) ’لا أصل له عند الحفاظ‘ (المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۹۱)

(ب) عبدالعزیز بن محمد فرماتے ہیں: قال: (أی الصغاني) ’ومنها (أی من الاحادیث الموضوعۃ) قولہم: ((حب الوطن من الايمان))

کے بارے میں صادر ہوا ہو، اور اس پر کسی نے تعقب نہ کیا ہو تو وہ حدیث موضوع قرار دی جائے گی۔ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ: ”اذا قال الحافظ المطلع الناقد فی حدیث: لا أعرفه، اعتمد ذلك فی نفيه“ ترجمہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب کوئی حافظ حدیث ناقد جس کی حدیثوں پر نظر ہو کسی حدیث کے بارے میں کہے ’لا اعرفه‘ تو اس ناقد کے قول پر اعتماد کر کے اس حدیث کی نفی کر دی جائے گی۔ یعنی وہ حدیث موضوع قرار دی جائے گی؛ کیونکہ اس حدیث کی حضور ﷺ سے کوئی اصل نہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ امام الحدیث ابن حجر رحمہ اللہ کا قول ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ”لأنه بعد تدوين الأخبار والرجوع الى الكتب المصنفة، يبعد عدم الاطلاع من الحفاظ الجهدۃ علی ما یورده غیره، فالظاهر عدمه“ ترجمہ: کیونکہ احادیث کی تدوین ہو چکی، اور علمائے حدیث نے اسے اپنی مصنفات میں محفوظ کر دیا؛ تو اب فن حدیث کے عالم و ناقد سے بہت بعید ہے کہ حدیث کی اصل ہو، اور وہ اس پہ مطلع نہ ہو سکے؛ لہذا کسی ناقد کا حدیث پر مطلع نہ ہونا ظاہر طور پر اس بات پر دلیل ہے کہ اس حدیث کا وجود نہیں (تدریب الراوی، النوع الثانی والعشرون ص ۲۵۷)

دوسری جگہ امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وفی ’جمع الجوامع‘ لابن السبکی أخذ من المحصول وغیره: ”من المقطوع بکذبہ ما نقب من الأخبار ولم یوجد عند أهلہ من صدور الرواة و بطون الكتب“ و کذا قال صاحب المعتمد، قال العز بن جماعۃ: ”و هذا اقد ینازع فی افضائه الی القطع، وانما غایته غلبۃ الظن“ ترجمہ: جس

’هذا الحديث لا أصل له‘ يعنون به: أنه موضوع مكذوب على رسول الله ﷺ، أو على الصحابي، أو على التابعي، الذي أسند قوله إليه، وذلك بأن يكون للحديث سند مذکور، ولكن في سنده كذاب أو وضاع أو دلالة صريحة، أو قرنية ناطقة بكذب المنقول به، فقولهم فيه حينئذ: لا أصل له، يعنون به: كذب الحديث، لا نفى وجود اسناد له.

ترجمہ: اور کبھی ان کے قول: ’هذا الحديث لا أصل له‘ سے مراد یہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے؛ جو حضور ﷺ، یا صحابی، یا تابعی پر گڑھی ہوئی ہے؛ اگرچہ اس حدیث کی سند بھی ہو، کیونکہ اس کی سند میں کوئی وضاع، یا کذاب ہوتا ہے، یا صراحت کے ساتھ کوئی قرینہ اس کے موضوع ہونے پر دلالت کرتا ہے؛ تو اس وقت ان کی مراد ’لا اصل له‘ سے حدیث کا جھوٹی ہونا ہے، نہ یہ کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں (مقدمۃ المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع)

اس اطلاق کی مثال ہشام بن عمار دمشقی ہے؛ جس کے بارے میں ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قال أبو داؤد: ’حدث هشام بأربع مائة حديث مسند ليس لها أصل‘. انتهى. ونحوه في ميزان الاعتدال.

ترجمہ: ابو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہشام نے ۴۰۰ حدیثیں اسناد کے ساتھ بیان کی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے (تہذیب التذہیب لابن حجر، ج ۱ ص ۴۷، ميزان الاعتدال للذہبی، ج ۴ ص ۳۰۲)

(ج) اور کبھی علمائے محدثین بولتے ہیں: ’هذا الحديث لا أصل له‘ فی الكتاب ولا في السنة الصحيحة و الضعيفة، يعنون بذلك: أن معناه ومضمونه غريب عن نصوص الشريعة كل الغرابة، ليس فيها

قلت: ’لا أصل له‘ (التهاني في التعقيب على موضوعات الصغاني لعبد العزيز ص ۶۵)

محدثین کے نزدیک ’لا اصل له‘ کا معنی:

اس کے مختلف اطلاقات ہیں، اختصار کے ساتھ یہاں پر ذکر کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

(الف) علمائے محدثین کبھی کہتے ہیں: ’هذا الحديث لا أصل له‘ و ’لا أصل له بهذا اللفظ‘ و ’ليس له أصل‘ وغیره، اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جس حدیث پر ان الفاظ کے ساتھ کلام کیا گیا ہے اس کی کوئی سند نہیں۔

امام سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قولهم: ’هذا الحديث ليس له أصل‘، أو لا أصل له، قال ابن تيمية: ’معناه ليس له اسناد‘. انتهى. ترجمہ: محدثین کرام کا یہ کہنا: ’هذا الحديث ليس له أصل‘، یا یہ کہنا: ’لا أصل له‘، ابن تيمية نے کہا: اس کا معنی یہ ہے کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں (تدریب الراوی، النوع الثاني والعشرون ص ۲۵۷)

عبدالفتاح ابو غنہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’وإذا كان الحديث لا اسناد له، فلا قيمة له ولا يلتفت إليه اذ الاعتماد في نقل كلام سيدنا رسول الله ﷺ، إنما هو على الاسناد الصحيح الثابت، أو ما يقع موقعه، وما ليس كذلك فلا قيمة له‘.

ترجمہ: جس حدیث کی کوئی اسناد نہ ہو اس حدیث کی کوئی قیمت نہیں، اس کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال نقل کرنے میں صحیح اسناد یا جو اس کے قائم مقام ہو پر ہی اعتماد ہے، اور جو اس حد سے خارج ہو اس کی کوئی قیمت نہیں (مقدمۃ المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع)

(ب) اور کبھی علمائے محدثین مسند حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

القاری، ج ۵ ص ۳۱۶)

(ج) حوت محمد بن درویش بن محمد فرماتے ہیں: حدیث: ((حب الوطن من الایمان)) حدیث موضوع (أسنى المطالب في أحاديث مختلفة المراتب للحوت ص ۹۵)

(د) عامری احمد بن عبدالکریم غزی فرماتے ہیں: ((حب الوطن من الایمان)) لیس بحدیث (الجدا الحثیث فی بیان مالیس بحدیث للعامری، ج ۱ ص ۸۵)

(ه) امام ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'وقیل انه من کلام بعض السلف' (الاسرار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة للملا علی القاری، ص ۱۸۰)

موضوع و لیس بحدیث کا مفہوم:

موضوع: اس سے مراد یہ ہے کہ حدیث گڑھی ہوئی ہے، حضور نبی کریم ﷺ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں، اور لیس بحدیث: اس سے مراد یہ ہے کہ حدیث نہیں بلکہ کسی کا قول ہے۔

(۴) ان علمائے حدیث کے اقوال جنہوں نے حدیث: ((حب الوطن من الایمان)) کے بارے میں 'لم أقف علیہ و معناه صحیح' فرمایا:

(ألف) امام شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'لم أقف علیہ و معناه صحیح' (المقاصد الحسنة للسخاوی، ص ۱۸۳)

(ب) علامہ عبدالرحمن بن علی شیبانی شافعی اثری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((حب الوطن من الایمان)) قال: شیخنا (أی السخاوی): 'لم أقف علیہ و معناه صحیح'۔ ظاہر ہے انہوں نے اس قول میں اپنے استاذ مکرم کی اتباع کی ہے (تمییز الطیب من الخبیث للشیبانی الشافعی ص ۶۸)

ما یشہد لمعناه فی الجملة'. ترجمہ: ان کے اس قول: 'هذا الحدیث لا أصل له فی الكتاب ولا فی السنة الصحیحة و الضعیفة' سے مراد یہ ہوتی ہے کہ حدیث کا معنی و مضمون نصوص شرعیہ میں غریب ہے، اس میں کچھ ایسا نہیں جس سے حدیث بعینہ نہ سہی کم سے کم اس کا معنی ہی درست و ثابت ہو۔

(د) اور کبھی جہا بذاہ حدیث فرماتے ہیں: 'لا أصل له فی الكتاب ولا فی السنة الصحیحة' یعنون: أن معناه و ما یتضمنه لفظه، لم یرد فی القرآن الکریم ولا فی الحدیث الصحیح الثابت عن رسول اللہ ﷺ فالنفسی منهم فی هذا متوجه الی نفی ثبوت مضمون الحدیث فی نصوص الشرعیة الثابتة، لا الضعیفة'. ترجمہ: ان کے اس قول: 'لا أصل له فی الكتاب، ولا فی السنة الصحیحة' سے مراد یہ ہوتی ہے کہ حدیث کا معنی قرآن اور صحیح حدیث میں وارد نہیں ہے، لہذا یہاں حدیث کے معنی و مضمون کی نفی قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ہے، احادیث ضعیفہ سے اس حدیث کے وجود کی نفی ہے (مقدمۃ المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، ص ۱۷-۲۳)

(۳) 'موضوع' یا 'لیس بحدیث' کا قول کرنے والے علمائے کرام کے اقوال:

(الف) ابوالفضائل حسن بن محمد صاغانی رحمہ اللہ نے حدیث: ((حب الوطن من الایمان)) کو موضوعات سے شمار کیا ہے، فرماتے ہیں: ومنها قولهم (أی من الأحادیث الموضوعة): ((حب الوطن من الایمان)) (موضوعات الصغانی، ص ۲۷)

(ب) علامہ علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وأما حدیث: ((حب الوطن من الایمان)) فموضوع (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح للملا علی

کہ اپنے آپ کو قتل کر دیا اپنے گھر یا رچھوڑ کر نکل جاؤ، تو ان میں تھوڑے ہی ایسا کرتے)) (کنز الایمان)

یہ آیت واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ منافقین کو وطن سے محبت تھی اگرچہ ان کے پاس ایمان کا خزانہ نہیں تھا۔ بعض لوگوں نے امام سخاوی رحمہ اللہ کی تائید کی اور فرمایا: ان کے قول سے مراد یہ نہیں ہے کہ وطن سے صرف مومن ہی محبت کرے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ وطن سے محبت ایمان کے منافی نہیں۔

مگر امام ملا علی قاری رحمہ اللہ اس تاویل کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ظاہر ہے حدیث کا معنی یہی ہے کہ وطن سے محبت ایمان کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے، اور حب وطن علامت اسی وقت بن سکتا ہے جبکہ وہ مومن کے ساتھ خاص ہو، اگر اس کے اندر بھی یہ خصوصیت پائی جائے اور کفار کے اندر بھی تو حب وطن علامت ایمان نہیں بن سکتا۔ اور اگر امام سخاوی رحمہ اللہ کا قول اس آیت کی طرف نظر کرتے ہوئے ہے جس میں اللہ تعالیٰ مومنوں کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أَخْرَجْنَا مِنْ دِيَارِنَا﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲، آیت: ۲۴۶) ترجمہ: (بولے ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم نکالے گئے ہیں اپنے وطن سے) (کنز الایمان) تو اس کے معارض یہ آیت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ اقْتُلُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ﴾ (سورۃ النساء: ۴، آیت: ۶۶)

پھر آگے فرماتے ہیں: اگر اس حدیث کے معنی کو صحیح مان لیا جائے تو اظہر یہ ہے کہ اس سے مراد جنت ہے، یا مکہ شریف یا اللہ کی طرف رجوع، یا وطن متعارف مگر اس شرط کے ساتھ کہ محبت کا سبب صلہ رحمی ہو (کشف الخفاء و مزمل الالباس عما شتر

(ج) علامہ محمد طاہر فتنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'لم أقف عليه و معناه صحيح' (تذکرۃ الموضوعات للفتنی، کتاب التوحید، ص ۱۱) شاید انہوں نے بھی اس قول میں امام سخاوی رحمہ اللہ کی اتباع کی ہے۔

'لم أقف عليه و معناه صحيح' کا مفہوم:

جب کوئی محدث یہ اصطلاح استعمال کرے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ اس محدث کو نہیں ملی، البتہ اس کے نزدیک شریعت اسلامیہ میں اس کی اصل موجود ہے۔

حدیث: ((حب الوطن)) کا معنی صحیح

کہنے والوں کا رد

علمائے حدیث کا حدیث: ((حب الوطن من الایمان)) کے معنی کو صحیح کہنے والے بعض علما پر رد:

علمائے حدیث نے حدیث کا معنی صحیح کہنے والوں کے قول کو رد کر دیا، اور آیت کریمہ سے ثابت کیا کہ اس حدیث کا معنی بھی صحیح نہیں ہے۔ رد کرنے والوں کے اقوال مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) امام ملا علی قاری رحمہ اللہ اس قول کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ تو عجیب قول ہے اس حدیث کا معنی کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ حب وطن اور ایمان کے درمیان کوئی تلازم نہیں، کیونکہ ایسا ہو سکتا ہے کہ حب وطن پایا جائے مگر ایمان مفقود ہو جیسا کہ کفار وطن سے محبت کرتے ہیں مگر ان کا دل ایمان کی رتق سے خالی و عاری ہوتا ہے۔ اور اس پر کھلی ہوئی دلیل اللہ جل شانہ کا فرمان عالی شان ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ اقْتُلُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ﴾ (سورۃ النساء: ۴، آیت: ۶۶) (اور اگر ہم ان پر فرض کرتے

من سواهم وان من فى الشام يفضل اخوته هناك على غيرهم ،
وهكذا وهو الا نحلال بعينه والنفق المنهى عنه ، والله يقول :
﴿انما المؤمنون اخوة﴾ ولم يقيد الاخوة بمكان ، ويقول :
﴿ويؤثرون على انفسهم ولو كان بهم خصاصة﴾ وأقل ما فيه نفويت
فضيلة الايثار ، اس کی واضح مثال حدیث : ((حب الوطن.....)) ہے جس کی
تاویل و توجیہ کرنے کے بعد بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ امت مسلمہ کے درمیان
تفرقہ پیدا کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ، کیونکہ یہ ایک ملک کے مسلمان کو دوسرے
ملک کے مسلمانوں پر فضیلت دینا ہے اور یہی تشنت و افتراق ہے جس کی اسلام میں
ممانعت ہے ۔ نیز اللہ جل شانہ فرماتا ہے : مؤمنین کہیں بھی ہوں بھائی بھائی ہیں ۔
دوسری جگہ فرماتا ہے : ”اور اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید
محتاجی ہو“ اور اگر کچھ نہیں تو کم سے کم اس حدیث کے معنی کو صحیح ماننے کی صورت
میں ایثار و قربانی کے جذبہ کو فوت کرنا ضرور ہے (قواعد التحدیث من فنون مصطلح
الحدیث ل محمد جمال الدین القاسمی ، ص ۱۶۱)

خلاصہ کلام : (۱) بعض محدثین کرام نے فرمایا : لم أقف عليه ،
اور یہ محدثین ان میں سے ہیں جن کو حدیث اور علوم حدیث میں درک حاصل تھا
مثلاً امام الحدیث ابن حجر عسقلانی اور امام جلال الدین سیوطی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما ۔
اور ایسے محدثین اس طرح کا قول کریں تو ان کے قور پر اعتماد کر کے حدیث کے موجود
ہونے کی نفی کر دی جاتی ہے ، لہذا یہ حدیث قائدہ کے مطابق موضوع ہوگی ۔

(۲) بعض محدثین عظام نے فرمایا : لا أصل له عند الحفاظ ، اس کا
مطلب یہاں پر یہ ہے کہ اس حدیث کی کوئی سند نہیں اور جس حدیث کی کوئی سند نہ
ہو محدثین کے نزدیک اس کا کوئی اعتبار نہیں ۔

من الاحادیث علی السنة الناس للعجلونی ، ج ۱ ص ۴۱۴

(۲) علامہ منوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ما ادعاه من صحة معناه
عجیب : اذ لا ملازمة بين حب الوطن وبين الايمان ، ويرده قوله
تعالى : ﴿وَلَوْ اَنَا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنْ اُقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ اَوْ اُخْرُجُوا مِنْ
دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِنْهُمْ﴾ (سورة النساء : ۴ ، آیت : ۶۶) ترجمہ : حافظ
سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ دعویٰ کرنا کہ حدیث : حب الوطن..... کا معنی صحیح ہے ، بڑا
عجیب و غریب ہے کیونکہ وطن کی محبت اور ایمان کے درمیان کوئی تلازم نہیں ، ان کے
قول کو رد کرنے کے لئے اللہ جل شانہ کا یہ فرمان عالی شان کافی ہے : ﴿وَلَوْ اَنَا
كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنْ اُقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ اَوْ اُخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ اِلَّا
قَلِيْلٌ مِنْهُمْ﴾ (سورة النساء : ۴ ، آیت : ۶۶) (الاسرار المفوتة فی الاخبار الموضوعتہ
ص ۱۸۰)

(۳) عالم جلیل عبد العزیز بن محمد امام سخاوی رحمہ اللہ کے قول پر تعقب
کرتے ہوئے فرماتے ہیں : ’وقول السخاوی فی المقاصد معناه :
صحيح . باطل لا يلتفت اليه‘ ترجمہ : اما سخاوی رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ حدیث :
((حب الوطن من الايمان)) کا معنی صحیح ہے ، قابل التفات نہیں (التحانی علی
موضوعات الصغانی ، ص ۵۶)

شیخ محمد جمال الدین قاسمی دمشقی نے ایک عالم کا قول نقل کیا جو خطبا کے
درمیان احادیث مکذوبہ کے ذکر کرنے کا کیسا رواج ہے بیان کرنے کے بعد فرماتے
ہیں : ’وذلك كحديث : ((حب الوطن من الايمان)) الذي لا يفهم
منه بعد التاويل والتحليل الا الحث على تفرق الجامعة الاسلامية .
التي تنشد ضالتها الآن . فانه يقضي بتفضيل مسلمي مصر مثلا على

میں سے بعض کا ذکر کرتا ہوں:

بخاری شریف کی حدیث ہے: حدثنا سعيد بن ابى مریم قال
أخبرنا محمد بن جعفر قال أخبرني حميد أنه سمع أنسا رضى الله
تعالى عنه يقول:

((كان رسول الله اذا قدم من سفر فأبصر درجات المدينة
أوضع ناقته و ان كانت دابة حر كها... الحديث)) وفيه دلالة على
فضل المدينة وعلى مشروعية حب الوطن والحنة اليه .

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((جب حضور نبی کریم ﷺ
کسی سفر سے آتے تو مدینہ شریف کی اونچی سڑکیں اور منزلیں دیکھ کر خوش ہوتے اور
اونٹنی تیزی سے اس کی طرف دوڑا دیتے تھے، اور اگر کوئی دوسرا جانور ہوتا تو اس کو
حرکت دیتے۔۔۔ الحدیث)) علامہ بدر الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث
میں مدینہ شریف کی فضیلت اور وطن سے محبت کے جواز پر واضح دلالت ہے
(۳۶)۔

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے: حدثنا أبي حدثنا ابن ابى عمير قال:
قال سفيان فسمعناه عن مقاتل منذ سبعين سنة عن الضحاك قال:
(لما خرج النبي ﷺ من مكة فبلغ الجحفة اشتاق الى
مكة، فانزل الله تبارك وتعالى عليه القرآن: ﴿رَادَكَ إِلَىٰ مَعَادٍ﴾
الى مكة))

ترجمہ: ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((جب حضور نبی کریم ﷺ
مکہ سے نکلے اور مکان جحہ پہنچے تو آپ کو مکہ شریف کی جانب رغبت ہوئی، تو اللہ
تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ

(۳) بعض اہل فن نے فرمایا: ((حب الوطن من الايمان)) یہ حدیث
موضوع ہے، اور بعض نے فرمایا: یہ حدیث ہی نہیں ہے، اور بعض نے کہا: زمانہ ماضی
کے کسی شیخ کا قول ہے۔ ان سب کا معنی یہی ہے کہ یہ حضور ﷺ کا قول نہیں ہے۔

(۴) بعض علمائے حدیث نے فرمایا: ((حب الوطن من
الايمان)) اس حدیث کا معنی صحیح ہے، مگر علمائے کرام نے ان کے قول کو رد کر دیا
جیسا کہ امام ملا علی قاری اور علامہ منونی رحمہما اللہ وغیرہما کا رد اس حدیث کے معنی صحیح
کہنے والوں پر گزرا۔

(۵) علمائے محدثین متفق ہیں کہ یہ حدیث: ((حب الوطن من
الايمان)) ان الفاظ کی ساتھ موضوع ہے۔

حدیث: ((حب الوطن)) کا حکم: ان تمام اقوال کی روشنی
میں اس حدیث کا حکم بیان کرنے کے لئے اس نتیجہ پر پہنچنا ہوں کہ حدیث:
(حب الوطن من الايمان)) ان الفاظ کے ساتھ کسی حدیث کا وجود نہیں، لہذا یہ
حدیث موضوع ہے۔ کیونکہ جمہور علمائے حدیث کی آرا و اقوال سے یہی ظاہر و باہر
ہے۔ نیز اس کا معنی بھی درست نہیں کیونکہ وطن کی محبت اور ایمان کے درمیان تلازم
نہیں جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے فرمایا، اور یہی میری ناقص رائے میں راجح اور
درست ہے۔ لہذا اس حدیث کو حب وطن پر حجت بنا کر پیش نہیں کرنا چاہئے۔

حدیث پاک سے حب وطن کا ثبوت:

نیز وطن سے محبت کرنے پر دلالت کرنے والی اس موضوع حدیث:
(حب الوطن من الايمان)) کے علاوہ بعض صحیح یا اس باب میں قابل احتجاج
حدیثیں موجود ہیں جو وطن کو محبوب رکھنے پر دلالت کرتی ہیں، لہذا موضوع حدیث کو
استدلال میں پیش کرنے کے بجائے انہیں قابل قبول احادیث کو بیان کیا جائے، ان

ہو چکی ہے، اور اس کے سلم درخت کی ڈالیوں میں ٹہنیاں نکل آئی ہیں، تو آپ ﷺ دل برداشتہ ہو گئے، اور فرمایا: ((اصیل بس کرو ہمیں مکہ شریف کے اوصاف بیان کر کے غمزہ نہ کرو)) (اخبار مکہ و ماجاء فیہا من الآثار لابن الولید محمد بن عبد اللہ الازرقی، تذکر النبی ﷺ و اصحابہ، ج ۲ ص ۱۵۵)

ان احادیث سے پتہ چلا کہ وطن سے محبت کرنا درست ہے، البتہ یہ محبت و چاہت ایمان کی علامت نہیں جیسا کہ حدیث: ((حب الوطن من الایمان)) کے معنی کو صحیح ماننے سے لازم آتا ہے۔ کیونکہ وطن سے محبت اور ایمان کے درمیان تلازم نہیں، ایسا ہو سکتا ہے کہ وطن سے محبت ہو مگر ایمان کا وجود نہ ہو، جیسا کہ کفار و مشرکین کو وطن سے محبت ہوتی ہے مگر یہ محبت ایمان سے خالی و عاری ہوتی ہے، لہذا شریعت اسلامیہ میں وطن سے محبت کی سماعت ہے مگر یہ محبت ایمان کی علامت ہو۔ اس طور سے کہ جہاں جہاں وطن سے محبت پائی جائے وہاں وہاں ایمان کا وجود ہو۔ ایسا نہیں ہے۔

لَرَأٰدُكَ اِلٰى مَعَادٍ ﴿ (سورۃ القصص: ۲۸، آیت: ۸۵) (تفسیر ابن ابی حاتم، قولہ تعالیٰ: رادک الی معاد، ج ۹ ص ۳۲۶) ترجمہ: (بیشک جس نے تم پر قرآن فرض کیا وہ تمہیں پھیر جائے گا جہاں پھرنا چاہتے ہو۔ یعنی مکہ کی طرف) (کنز الایمان)

تیسری حدیث میں ہے: عن ابن شہاب قال قدم اصیل الغفاری قبل ان یضرب الحجاب علی أزواج النبی ﷺ فدخل علی عائشہ رضی اللہ عنہا، فقالت له: یا اصیل کیف عہدت مکة قال: قد اخصب جنابہا، و ابيضت بطحائها قالت: اقم حتی یا تیک النبی ﷺ فلم یلبث ان دخل النبی ﷺ فقال له: ((یا اصیل کیف عہدت مکة)) قال: واللہ عہدتہا قد اخصب جنابہا و ابيضت بطحائها و اعدق اذ خرہا و اسلت ثمامہا و أمش سلمہا فقال: ((حسبک یا اصیل لا تحزنا)) أمش سلمہا: یعنی نوا میہ الرخصة التي فی الطراف اغصانہ الا ذخر: حشیشة طيبة الرائحة تسقف بها البيوت فوق الخشب.

ترجمہ: ابن شہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اصیل غفاری رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات پر حجاب فرض ہونے سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اصیل غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا مکہ کو کیسا پایا؟ تو آپ نے عرض کیا: مکہ کی گھاسیں خوب اگ آئیں ہیں، اور اس کے وسیع مکان کی ریتیں سفید ہو گئی ہیں، پھر حضور ﷺ آئے، اور آپ ﷺ نے بھی پوچھا: ((مکہ کو تم نے کیسا پایا)) آپ نے عرض کیا: مکہ کی گھاسیں خوب اگ آئی ہیں، اور اس کے وسیع مکان کی ریتیں سفید ہو گئی ہیں، اور اس کی خوشبودار گھاس خوب زیادہ ہو گئی ہے، اور اس کی شمال (ایک قسم کی گھاس) بھی ظاہر

- (٢٣) الدرر المنتشرة في الأحاديث المشتهرة لجلال الدين السيوطي -
(٢٤) عمدة القاري للعينى -
(٢٦) الغماز على المماز في الموضوعات المشهورات للسهمودي ، تحقيق: محمد عبد القادر
الخطار مطبع: دار الكتب العلمية بيروت لبنان -
(٢٧) فتح المغيب للسخاوي ، تحقيق: مجدي قحى السيد، المكتبة التوفيقية -
(٢٨) الفوائد الموضوعية في الأحاديث الموضوعية لمرعي بن يوسف الكرمي ، تحقيق: محمد
الصباغ -
(٢٩) قواعد الحديث من فنون مصطلح الحديث لمحمد جمال الدين القاسمي ، دار النفائس ،
بيروت -
(٣٠) كشف الحفاء ومزيل الالباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس للعجلوني ،
تحقيق: أحمد القلاش ، مطبع: دار التراث ، مصر -
(٣١) اللؤلؤ المرصوع فيما لا أصل له او باصله موضوع للقاوتجي ، تحقيق: فواز احمد زبيرى ،
مطبع: دار البشائر الاسلامية -
(٣٢) مختصر المقاصد الحسنة للزرقاني ، تحقيق: محمد الصباغ المكتبة الاسلامي بيروت -
(٣٣) مرآة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح للملا علي القاري -
(٣٤) المصنوع في معرفة الحديث الموضوع ، مطبع: مكتبة المطبوعات الاسلامية -
(٣٥) المقاصد الحسنة للسخاوي ، تحقيق: عبد الله محمد الصديق ، مطبع: مكتبة الخانجي ، مصر -
(٣٦) مقدمة المصنوع في معرفة الحديث الموضوع للملا علي القاري ، مطبع مكتب
المطبوعات الاسلامية -
(٣٧) موضوعات الصغاني ، تحقيق: نجم عبد الرحمن خلف -
(٣٨) ميزان الاعتدال للذهبي ، مطبع: دار المعرفة لبنان -
(٣٩) النخبة السهية في الأحاديث المكذوبة للامير المالكى -

فهرست مصادر

- (١) أخبار مكة وما جاء فيها من الآثار لابي الوليد محمد بن عبد الله الازرقى ، تذكر النبي
ﷺ وأصحابه مكة ، دار الاندلس بيروت -
(٢) الاسرار المرفوعة في الأخبار الموضوعية للملا علي القاري ، تحقيق: محمد الصباغ مطبع: دار
الامانة بيروت -
(٣) أسنى المطالب في أحاديث مختلفة المراتب للحوت ، مطبع: المكتبة التجارية الكبرى
مصر -
(٤) التحقيق والايضاح لمحمد ابو عمارة -
(٥) تذييل الراوى لجلال الدين السيوطي ، تحقيق: محمد ايمن بن عبد الله ، مطبع: دار
الحديث
(٦) تذكرة الموضوعات للفتنى ، مطبع: دار احياء التراث العربى ، لبنان -
(٧) تمييز الطيب من الخبيث للشيباني الشافعي ، دار الكتب العربى بيروت -
(٨) تنزيه الشريعة المرفوعة لابن عراق الكلتاني -
(٩) التهانى فى التعقيب على موضوعات الصغاني لعبد العزيز ، مطبع: دار الانصار
بالقاهرة -
(١٠) تفسير ابن ابي حاتم -
(١١) تهذيب التهذيب لابن حجر ، مطبع: دار الفكر -
(١٢) نزاهة النظر فى شرح نخبة الفكر لابن حجر العسقلاني ، تحقيق: حمدي الدمرداش ، مكتبة
نزار مصطفى الباز ، الرياض -
(١٣) الجدل الحثيث فى بيان ما ليس بحديث للعامري -

تعصب کا ایسا عینک پہنے ہوئے ہیں کہ اگر اہل سنت و جماعت کے موقف کی حدیث ہے تو وہ موضوع یا ضعیف ہے، اگرچہ محدثین و ناقدین کے نزدیک صحیح و حسن ہو، اور اگر ان کے موقف کی حدیث ہے تو وہ صحیح و حسن ہی ہے، خواہ وہ نقاد اور ماہرین کے نزدیک ضعیف ہی کیوں نہ ہو، جب سے اس فرقہ کا وجود ہوا ہے، اس نے امت مسلمہ پر ظلم و بربریت کا پہاڑ ہی توڑا ہے، البتہ اس فرقہ کو امت مسلمہ کے دشمنوں کفار سے بڑی محبت ہے، انہیں اپنے دیار میں بیٹھا کر پالتی پوتی اور جوان کرتی ہے، مگر اسے ذرہ برابر اپنی پشیمانی کا احساس نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے، آمین۔

اس فرقہ پرست کے بعض متبعین میں سے ایک ذاکرنا یک ہے۔ جسے نہ تو قرآن صحیح سے پڑھنا آتا ہے، اور نہ ہی حدیث اور اصول حدیث سے اسے کوئی آگہی۔ وہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ نماز کی حالت میں سینے پر رکھنے کے متعلق ابن خزیمہ والی روایت کردہ حدیث صحیح ہے!! اس سے زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بعض احباب کے ذریعہ پتہ چلا کہ اس فرقہ پرست کے بعض نیپالی متبعین کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ جب سے مجھے پتہ چلا کہ سینہ پر ہاتھ رکھنے سے متعلق چالیس حدیثیں وارد ہیں، میں سینے پر ہاتھ رکھنے لگا!!! نیز ان کے بعض متبعین سینے پر ہاتھ رکھنے میں اتنا غلو اور تشدد کرتے ہیں کہ ہاتھ کو گلے تک پہنچا دیتے ہیں، دیکھنے میں ایسا لگتا ہے کہ اپنا گلا اپنے ہاتھوں خود ہی گھوٹ رہے ہیں!! اس فرقہ پرست کا یہ غلو اور تشدد اس حد تک پروان چڑھ چکا کہ وہ اپنے سوا کسی کو حق پر سمجھتی ہی نہیں!!! خیر آج کا میرا یہ مقالہ نماز کی حالت میں سینہ پر ہاتھ باندھنے والی روایات کی تحقیق و تحلیل پر مشتمل ہے، اس فرقہ پرست کے نزدیک ان روایتوں میں سے قوی ترین روایت ابن خزیمہ کی اپنی صحیح میں روایت کردہ حدیث ہے جس کی تحقیق آپ عنقریب ملاحظہ فرمائیں

نماز کی حالت میں سینہ پر ہاتھ

باندھنے والی روایات کا

محققانہ فیصلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بارہوی صدی میں پیدا ہونے والی فرقہ پرست قوم جس کے وجود کا مقصد ہی امت مسلمہ کی تکفیر و تضحیل کرنا ہے، یہ ایک زمانہ سے بلکہ جب سے معرض وجود میں آئی اسی وقت سے اس بات کا دعویٰ کرتی آرہی ہے کہ وہ اور اس کے قدم سے قدم ملا کر چلنے والے لوگ ہی قرآن و حدیث پر عمل کرنے والے ہیں، ان کے سوا جتنے لوگ ہیں، خواہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کی اتباع کرنے والے ہوں، یا امام دارالبحرہ امام مالک علیہ الرحمہ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں، یا امام شافعی علیہ الرحمہ اور ان کے ماننے والے ہوں، یا امام احمد ابن حنبل علیہ الرحمہ اور ان کے پیروکار ہوں، اگرچہ یہ حضرات قرون فاضلہ کے جید علماء، فقہاء، محدثین اور مجتہدین عظام میں سے ہیں، جن کے آرا کی اتباع ساری دنیا کے لوگ کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں، مگر پھر بھی یہ فرقہ پرست قوم عام لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے ان حضرات کے نقش قدم پر چلنے والے لوگوں کو شیوخ پرست بلکہ نفس اور خواہش پرست جیسے القاب سے متصف کرتی ہے، اور انہیں احادیث ضعیفہ پر عمل کرنے کا الزام دیتی ہے، حالانکہ یہ قوم اگر اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنے کی کوشش کرے تو ضرور اسے نظر آجائے گا کہ وہ خود تعصب اور نفس پرستی کے دلدل میں پھنسی ہوئی ہے، عام امت مسلمہ کی مخالفت کرتی ہوئی نظر آرہی ہے، اور اس کے ماننے والے بعض لوگ

رقم: ۱۸۸۶۷ (۴) محمد بن یزید مخزومی (صحیح ابن خزیمہ، رقم: ۶۹۱) (۵) محمد بن یوسف (سنن النسائی، رقم: ۱۲۶۴) (۶) وکیع بن جراح (مسند احمد، رقم: ۱۸۸۴۵) (۷) یحییٰ بن آدم (مسند احمد، رقم: ۱۸۸۶۷) (۸) محمد بن عبد اللہ بن یزید مقرئ (سنن النسائی، رقم: ۱۱۵۹)

یہ آٹھ حضرات ہیں جنہوں نے اس حدیث کو سفیان ثوری سے روایت کی ہے؛ مگر ان میں سے کسی نے بھی اس لفظ یعنی (علی صدرہ) کو ذکر نہیں کیا جس کو روایت کرنے میں مؤمل بن اسماعیل منفر د ہیں۔

نیز اس حدیث کی روایت کرنے میں ایک جماعت نے سفیان ثوری کی متابعت بھی کی ہے مگر ان میں سے کسی نے بھی (علی صدرہ) کا ذکر نہیں کیا ہے، ان کے اسماء یہ ہیں:

- (۱) سفیان بن عیینہ (مسند الحمیدی، رقم: ۹۰۹، سنن النسائی، رقم: ۱۲۶۳)
- (۲) محمد بن فضیل (صحیح ابن خزیمہ، رقم: ۷۷۸، ۷۱۳) (۳) عبد الواحد بن زیاد (مسند احمد، رقم: ۱۸۸۵۰) (۴) زہیر بن معاویہ (مسند احمد، رقم: ۱۸۸۷۶)
- (۵) شعبہ بن حجاج (مسند احمد، رقم: ۱۸۸۵۵، قرۃ العینین برفع الدین فی الصلاة للبخاری، رقم: ۲۶، صحیح ابن خزیمہ، رقم: ۶۹۷، ۶۹۸) (۶) عبد العزیز بن مسلم (مسند احمد، رقم: ۱۸۸۶۵) (۷) زائدہ بن قدامہ (سنن الدارمی، رقم: ۱۳۹۷، مسند احمد، رقم: ۱۸۸۷۰، قرۃ العینین برفع الدین فی الصلاة للبخاری، رقم: ۳۰، سنن ابی داؤد، رقم: ۷۲۷، صحیح ابن خزیمہ، رقم: ۷۱۴، ۷۸۰، المنشی لابن الجارود، رقم: ۲۰۸) (۸) عبد اللہ بن ادریس (قرۃ العینین برفع الدین فی الصلاة للبخاری، رقم: ۳۱، سنن ابن ماجہ، رقم: ۸۱۰، ۹۱۲، سنن الترمذی، رقم: ۲۹۲، سنن النسائی، رقم: ۱۱۰۲، صحیح ابن خزیمہ، رقم: ۷۷۷، ۶۲۱، ۶۹۰، ۷۱۳) (۹) بشر بن مفضل (سنن ابی داؤد، رقم: ۷۲۶، ۹۵۷،

گے، قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ تعصب کا عینک اتار کر اس مقالہ کو بغور پڑھیں، پھر فیصلہ کریں کہ یہ روایتیں اصول حدیث کی روشنی میں صحیح ہیں یا حسن یا ضعیف، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقہ طفیل میں مسلمانوں کو گمراہ گر علما سے محفوظ، اور انہیں سنیت پر قائم و دائم رکھے، اور اسی پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

(۱) حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ:

ابن خزیمہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: نا موسیٰ، نا مؤمل، نا سفیان، عن عاصم بن کلیب، عن أبیه عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال: (صلیت مع رسول اللہ ﷺ وضع یدہ الیمنی علی یدہ الیسری علی صدرہ)

ترجمہ: وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی، آپ فرماتے ہیں: ((میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھا، آپ ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھا))

سند پر کلام:

اس حدیث کی سند میں ایک راوی مؤمل بن اسماعیل ہیں، میرے علم کے اعتبار سے یہی وہ ایک راوی ہیں جو سفیان ثوری سے لفظ (علی صدرہ) کے ذکر کرنے میں منفر د ہیں، باقی دوسرے راویوں نے سفیان ثوری سے روایت کرنے میں اس لفظ یعنی (علی صدرہ) کو ذکر نہیں کیا ہے، قارئین ان حضرات کے اسماء ملاحظہ فرمائیں:

- (۱) عبد اللہ بن الولید (مسند احمد، رقم: ۱۸۸۷۱) (۲) عبد الرزاق صنعانی (مصنف عبد الرزاق، رقم: ۲۵۲۲) اور عبد الرزاق سے امام احمد بن حنبل نے روایت کی ہے (مسند احمد، رقم: ۱۸۸۵۸) (۳) ابو نعیم فضل بن دکین (مسند احمد،

معاملہ میں شدید کثرت سے سے خطا کرنے والے ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی کتابیں ذن کر دیں، اور حافظہ پر اعتماد کر کے حدیث بیان کئے جس کی وجہ سے آپ سے غلطی واقع ہوئی) (الکاشف، رقم: ۵۷۴۷)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: (ابن معین سے مروی ہے کہ وہ ثقہ ہیں، امام بخاری فرماتے ہیں: (منکر الحدیث ہیں) اور امام بخاری جس کے بارے میں منکر الحدیث فرمادیں ان سے روایت کرنا حلال نہیں، جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے، یعقوب بن سفیان فرماتے ہیں: (سلیمان بن حرب ان کی تعریف کرتے تھے اور ہمارے شیوخ ان سے قریب رہنے کی وصیت کرتے تھے، مگر ان کی حدیث ان کے اصحاب کے مشابہ نہیں، اہل علم پر واجب ہے کہ ان کی حدیث سے احتراز کریں کیونکہ وہ اپنے ثقات شیوخ سے مناکیر روایت کرتے ہیں، اگر وہ یہ مناکیر ضعف سے روایت کرتے تو اسے ان کے عذر کے منزل میں رکھ دیا جاتا) اور ابن سعد فرماتے ہیں: (ثقة، کثیر الغلط) یعنی ثقہ ہونے کے ساتھ غلطی بہت کرتے ہیں، اور ابن قانع فرماتے ہیں: (صالح مختلط) یعنی صالح ہیں مگر خطا کرتے ہیں، اور امام دارقطنی فرماتے ہیں: (ثقة، کثیر الخطا) یعنی ثقہ ہونے کے ساتھ خطا بہت کرتے ہیں، اور اسحاق بن راہویہ نے فرمایا: (ہم سے ثقہ مؤمل بن اسماعیل نے حدیث بیان کی) اور محمد بن نصر مروزی نے فرمایا: (مؤمل بن اسماعیل اگر کسی حدیث کی روایت کرنے میں منفرد ہوں تو توقف ضروری ہے، کیونکہ ان کا حافظہ خراب ہے، اور غلطی بھی بہت کرتے ہیں) (تہذیب التہذیب، رقم: ۶۸۲)

اور اذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: (ابوزرعہ فرماتے ہیں: فی حدیثہ خطأ کثیر) (میزان الاعتدال، رقم: ۸۹۴۹) یعنی ان کی حدیث میں کثرت سے خطا پائی جاتی ہے۔

سنن ابن ماجہ، رقم: ۸۱۰، ۸۶۷، سنن النسائی، رقم: ۱۲۶۵) (۱۰) سلام بن سلیم (مسند الطیالسی، رقم: ۱۰۲۰) (۱۱) خالد بن عبداللہ (السنن الکبریٰ للبیہقی، رقم: ۲۷۸۴) ان سب نے اس حدیث کو ”عن عاصم بن کلیب، عن کلیب، عن وائل“ روایت کیا مگر کسی نے بھی اس زیادتی یعنی (علی صدرہ) کا ذکر نہیں کیا ہے۔

نیز اس حدیث کو وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے کلیب کے علاوہ (۱) علقمہ بن وائل (۲) و مولیٰ لھم نے روایت کیا ہے (مسند احمد، رقم: ۱۸۸۶۶، صحیح مسلم، رقم: ۴۰۱، مستخرج ابی عوانہ، رقم: ۱۵۹۶، صحیح ابن خزیمہ، رقم: ۹۰۵، السنن الکبریٰ للبیہقی، رقم: ۲۵۱۵) اور (۳) عبد الجبار بن وائل نے بھی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (مسند احمد، رقم: ۱۸۸۷۳، سنن الدارمی، رقم: ۱۲۷۷) اور ان لوگوں نے بھی لفظ (علی صدرہ) کا ذکر نہیں کیا۔

اس زیادتی یعنی (علی صدرہ) کا سفیان ثوری، عاصم بن کلیب، اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے تلامذہ کی روایت میں وارد نہ ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مؤمل بن اسماعیل کو اس زیادتی کی روایت کرنے میں وہم ہوا ہے، لہذا یہ زیادتی صحیح اور قابل قبول نہیں۔

مؤمل بن اسماعیل ناقدین کی نظر میں:

مناسبت کے پیش نظر ضروری سمجھتا ہوں کہ راوی مؤمل بن اسماعیل کے بارے میں محدثین و ناقدین کے اقوال ذکر کر دئے جائیں تاکہ ان کی زیادتی والی روایت کا حکم صحیح طور پر بیان کیا جاسکے، قارئین کرام آپ ان کے بارے میں محدثین و ناقدین کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (مؤمل بن اسماعیل صدوق، سنت کے

وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حکم:

ان تمام احوال کے باوجود غیر مقلد صاحب عون المعبود اور غیر مقلد صاحب تحفۃ الاحوذی کا اس حدیث کو صحیح قرار دینا عجیب و غریب بلکہ حد درجہ تعجب خیز ہے!! بہر حال یہ حدیث ضعیف اور قابل عمل نہیں، واللہ اعلم۔

بہت سارے لوگ ابن خزیمہ کا اس روایت کو اپنی صحیح میں ذکر کرنے کی وجہ عام طلبہ و علما اور عوام کو دھوکا دینے اور مغالطہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، اور طرح طرح کا حیلہ تلاش کرتے ہیں، ذیل میں حیلے اور ان کے جواب ملاحظہ فرمائیں:

ابن خزیمہ اور حدیث کی تصحیح !!

مخالفین کبھی یہ کہتے ہیں، اس حدیث کی تصحیح ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے خود کی ہے، چنانچہ صاحب العون عظیم آبادی لکھتے ہیں: (ابن سید الناس رحمہ اللہ نے ترمذی کی شرح میں وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث کو ذکر کیا، اور فرمایا: ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے) اور غیر مقلد صاحب تحفۃ الاحوذی مبارکپوری نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ: (علامہ محمد قاسم سندھی رحمہ اللہ نے ابن خزیمہ علیہ الرحمہ کی جانب سے اس حدیث کی تصحیح کئے جانے کا اعتراف کیا ہے) ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:

حضرت وائل رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے، اس کے بعض الفاظ کے صحیح ہونے میں کلام نہیں، البتہ جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھوں کو سینہ پر رکھا، اس پر ضرور کلام ہے، اور جس کی تصحیح ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے کی ہے، اور جس کو ابن سید الناس رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، اسی کو ابن حجر علیہ الرحمہ نے بھی 'فتح الباری' میں ذکر کیا ہے، آپ فرماتے

ابن حجر عسقلانی ان کے بارے میں خلاصہ کلام کے طور پر فرماتے ہیں: (صدوق سیء الحفظ) (تقریب التہذیب، رقم: ۷۰۲۹) یعنی فی نفسہ سچے ہیں مگر ان کا حافظہ خراب ہے۔

راوی مؤمل بن اسماعیل کا حکم:

ان کے بارے میں ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے خلاصہ کلام کے طور پر فرمایا: صدوق سیء الحفظ، اور ایسے وصف سے متصف راوی کی حدیث ضعیف ہوتی ہے، اور جب ضعیف راوی ثقہ یا ثقات کی مخالفت کرے تو وہ روایت منکر کہلاتی ہے، اور اس کے بالمقابل جو حدیث ہوتی ہے اسے معروف کہا جاتا ہے، لہذا یہاں پر مؤمل بن اسماعیل کی روایت جس میں (علی صدرہ) کا ذکر ہے ضعیف و منکر ہوگی، اور جنہوں نے (علی صدرہ) کا ذکر نہیں کیا ہے وہ معروف ہوگی، اور محدثین کے نزدیک عمل معروف حدیث پر ہوتا ہے منکر پر نہیں، اور اگر ہم متشددین اور غیر مقلدین کا طریقہ اختیار کریں اور صرف امام بخاری کے قول 'منکر الحدیث' کو لے لیں تو ہمیں یہ کہنے میں جھجک محسوس نہیں ہوگی کہ مؤمل بن اسماعیل سے حدیث ہی روایت کرنا جائز نہیں، چہ جائے کہ ان کی حدیث پر عمل کیا جائے! کیونکہ جن کے بارے میں امام بخاری 'منکر الحدیث' فرمادیں ان سے روایت کرنا جائز ہی نہیں! نیز اس حدیث کی سند میں سفیان ثوری ہیں جن کا مذہب و عمل خود اس روایت کے خلاف ہے، اور جب راوی کا عمل روایت کے خلاف ہو تو راوی کے عمل کو لیا جاتا ہے، اور یہی اکثر حفاظ کرام، محققین و ناقدین امام یحییٰ بن معین، یحییٰ بن سعید اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ وغیرہ کا ہے (الاشفاق علی احکام الطلاق للکوثری، ص ۴۴)

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اس قائدہ کے پیش نظر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اکثر حفاظ نے بہت ساری احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے) (شرح علل الترمذی، ص ۴۰۹)

کرنے کا منج وہی ہے جو امام ترمذی کا اپنی سنن اور امام حاکم علیہ الرحمہ کا اپنی کتاب مستدرک میں ہے، ہر ایک اپنی کوشش اور جہد کے مطابق ہر حدیث پر منفرد حکم لگاتا ہے، پس جس طرح امام ترمذی اور حاکم علیہ الرحمہ کا سکوت صحت یا ضعف پر دلالت نہیں کرتا، اسی طرح ابن خزیمہ علیہ الرحمہ کا اپنی صحیح میں حدیث ذکر کرنا اور سکوت اختیار کرنا بھی حدیث کی صحت یا ضعف پر دلالت نہیں کرتا، لہذا جس نے حدیث کو صرف اس وجہ سے صحیح قرار دیا کہ ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، وہ متساہل ہے، خطا کار ہے، خاص کر اس صورت میں جبکہ آپ نے اس حدیث پر کوئی حکم ہی نہ لگایا ہو۔ یہاں پر صحیح ابن خزیمہ کی احادیث کے بارے علمائے کرام کی آراء کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

صحیح ابن خزیمہ محدثین کی نظر میں:

ابو بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیشاپوری (ت ۳۱۱ھ) جلیل القدر عالم اور محدث تھے، جس کے نتیجے میں یہ کتاب عالم وجود میں آئی، محدثین اور فقہائے کرام کے نزدیک بہت اہمیت کی حامل ہے، مگر چونکہ ابن خزیمہ علیہ الرحمہ کی حدیث کی صحت کے لئے شرطیں اعلیٰ نہ تھیں، اور آپ نے صحیح اور حسن کو ایک درجہ میں رکھا، جس کی وجہ سے محدثین کرام نے ان کی کتاب کو صحیحین، سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کا درجہ نہ دیا، بلکہ اس کو سنن ترمذی اور حاکم کی مستدرک کے ساتھ ضم کر دیا، لیکن اس کا مطلب قطعاً یہ نہیں کی ان کی تصحیح کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ ضرور اعتبار ہے مگر یہ تصحیح صحیح اور حسن کے درمیان دائر ہوتی ہے، اور یہی غالب ہے۔

امام سخاوی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: (و کم فی کتاب ابن خزیمہ أيضا من حدیث محکوم منه بصحة، وهو لا یرتقی عن رتبة الحسن). (فتح المغیث للسخاوی، ج ۱ ص ۳۱)

ہیں: سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ((ثم وضع یدہ الیمنی علی ظہر کفہ الیسری، و الرسغ من الساعد)) (ج ۲ ص ۲۲۲)

اسی کو ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے، اور حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جس میں ((علی صدرہ)) کا اضافہ ہے، ابن حجر علیہ الرحمہ فتح الباری میں اس کے حوالہ سے فرماتے ہیں: (ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے، اس میں ((انہ وضعہما علی صدرہ)) اور بزار نے اپنی مسند میں روایت کی ہے، اس میں ہے: ((عند صدرہ)) مگر ابن حجر رحمہ اللہ نے اس زیادتی کے ساتھ روایت کردہ حدیث کو صحیح نہیں قرار دیا، نہ توفیح الباری، اور نہ ہی الخیص الحیبر اور نہ ہی الدرر ایہ میں، کہیں بھی آپ نے اس حدیث کی تصحیح نہیں فرمائی، اسی طرح امام نووی علیہ الرحمہ نے شرح المہذب، الخلاصہ اور شرح مسلم میں ان کی تصحیح کا ذکر نہیں کیا، اگر ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے اس زیادتی والی روایت کردہ حدیث کی تصحیح فرمائی ہوتی تو یہ دونوں حضرات ضرور نقل کرتے، کیونکہ انہیں اپنے مذہب کو ثابت کرنے کے لئے اس کی زیادہ ضرورت تھی، لہذا ان کا ذکر نہ کرنا اس بات پر دال ہے کہ ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے اس ((وضعہما علی صدرہ)) والی روایت کی تصحیح نہیں فرمائی ہے، واللہ اعلم۔

حدیث ابن خزیمہ کی شرط پر ہے !!

بعض لوگ مغالطہ میں ڈالنے کے لئے کہتے ہیں: اس حدیث کو ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، لہذا یہ حدیث ان کی شرط پر صحیح یا حسن ہوگی۔

ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:

یہ قول درست نہیں، کیونکہ ابن خزیمہ علیہ الرحمہ کا اپنی صحیح میں احادیث ذکر

بن اسماعیل کے علاوہ ایک دوسرے طریق سے مروی ہے جو اس سے اقویٰ ہے!
ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:
یہ صرف دعویٰ ہے جس کی دلیل اور برہان کا دور دور تک پتہ نہیں، اگر ایسا
ہوتا تو اس مذہب کے مؤیدین اسے ضرور ذکر کرتے، مگر وہ اس سے اقویٰ طریق کے
ذکر کرنے سے عاجز ہیں؛ کیونکہ اس اقویٰ روایت کا وجود نہیں، چنانچہ امام بیہقی رحمہ
اللہ نے اس حدیث کو صرف مؤمل بن اسماعیل کے طریق سے ہی روایت کی ہے،
اگر اس کے علاوہ کوئی قوی طریق ہوتا تو یقیناً امام بیہقی رحمہ اللہ اسے ضرور ذکر کرتے،
کیونکہ آپ کی وہ شخصیت ہے جس نے امام شافعی علیہ الرحمہ کے مذہب کی دلائل
بطون کتب سے جمع کرنے کی انتھک کوشش کی ہے، اگر اقویٰ طریق ہوتا تو اسے
چھوڑ کر ضعیف حدیث ہرگز اپنے مذہب کے استدلال میں ذکر نہیں کرتے۔ ابن قیم
جو زیہ فرماتے ہیں: مؤمل بن اسماعیل کے علاوہ کسی نے بھی ((علی صدرہ)) کا
ذکر نہیں کیا ہے، اگر اس سے اقویٰ طریق موجود ہوتا تو ابن قیم اس طرح انکار نہیں
کرتے، بلکہ اس اقویٰ دلیل کو ذکر کرنے کا التزام کرتے، بہر حال علما اور محدثین
کرام کے اقوال اور طرز استدلال سے پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث کا اس سے اقویٰ
طریق موجود نہیں، اور اگر مدعیان کے پاس اس سے کوئی اقویٰ روایت ہو تو ضروری
ہے کہ اسے سامنے لائیں تاکہ ناقدین قواعد حدیث کی روشنی میں پرکھ کر اس کا حکم
بیان کر سکیں، اور یہ پتہ کر سکیں آیا وہ قابل عمل ہے یا نہیں، اور رہا صرف دعویٰ تو یہ بغیر
دلیل کے قبول نہیں کیا جاسکتا۔

بعض مخالفین کا مغالطہ اور اس کا جواب:

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (وائل بن حجر کی حدیث کو ابن خزیمہ
نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، یہی حدیث صحیح مسلم میں بغیر لفظ علی صدرہ کے موجود

ترجمہ: (صحیح ابن خزیمہ میں بھی بہت ساری ایسی حدیثیں ہیں جس پر آپ
نے صحت کا حکم لگایا ہے، مگر وہ صرف حسن ہیں)
ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:
اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ امام ترمذی اور حاکم کی طرح حدیث کے
باریں میں سکوت اختیار کرتے ہیں، اور یہ سکوت کبھی ایسی حدیث پر بھی ہوتا ہے جو
ضعیف ہوتی ہے، اس لئے آپ کے سکوت اختیار کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ
حدیث صحیح یا حسن ہی ہے، جیسا کہ دور حاضر کے مطلب پرست لوگ گمان کرتے
ہیں، کیونکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے، امام زیلعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:
(ابن خزیمہ علیہ الرحمہ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث کی تخریج
کی ہے، اس میں ہے: ((حضور نبی کریم ﷺ نے نماز میں سورہ فاتحہ کے ساتھ بسم
اللہ الرحمن الرحیم پڑھا اور اسے ایک آیت شمار کی)) (نصب الرایۃ، ج ۱ ص ۳۲۵)
اس حدیث کو حاکم علیہ الرحمہ نے مستدرک میں ابن خزیمہ علیہ الرحمہ کے
طریق سے روایت کی ہے، اس میں ایک راوی عمر بن ہارون ہیں، ان کے بارے
میں ذہبی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: محدثین و ناقدین کا ان کے ضعف ہونے پر اجماع
ہے، اور امام نسائی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: وہ متروک ہیں، اس بیان سے واضح ہو گیا
کہ صحیح ابن خزیمہ خالص صحیح احادیث پر مشتمل نہیں، بلکہ اس میں صحیح، حسن اور بعض
حدیثیں ضعیف بھی ہیں، البتہ غالب وصف اس کی احادیث کا صحاح اور حسان ہونا
ہے۔

زیر بحث حدیث کی سند سے اقویٰ

دوسری سند کا وجود!!

بعض حضرات یہ دعویٰ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں: زیر بحث حدیث مؤمل

جس سے صاحب تحفۃ الاحوذی مبارکپوری نے استدلال کیا ہے، اس لئے یہ کہنا کہ: صحیح مسلم کی سند صحیح ہے اس لئے صحیح ابن خزیمہ کی سند بھی صحیح ہونی چاہئے درست نہیں۔

اور برسبیل تنزیل اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی زیادتی متن والی جو سند ہے وہی سند صحیح مسلم کے اصل حدیث کی ہے، پھر تو یہ سب سے بڑی دلیل ہوگی کہ متن کی زیادتی غلط ہے، اگرچہ راوی ثقہ ہو، اسے اس زیادتی کے ذکر کرنے میں وہم ہوا ہے، کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ صحیح مسلم اور ابن خزیمہ کی سند کے شیخ ایک ہی ہوں اس کے باوجود صحیح ابن خزیمہ میں زائد متن کا ذکر ہو، اور صحیح مسلم میں نہ ہو، بہر کیف امام مسلم رحمہ اللہ کا اسناد کے اتحاد کے باوجود۔ جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں۔ اس زائد متن کا ذکر نہ کرنا، اسے چھوڑ دینا، اور حدیث کو بغیر اس زائد متن کے روایت کرنا، اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کے نزدیک زیادتی وہم ہے، راوی نے اس کے ذکر کرنے میں خطا کی ہے۔

ابن قیم جوزیہ الہدیٰ میں امام مسلم پر متکلم فیہ راویوں سے روایت کرنے کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

(امام مسلم رحمہ اللہ کا متکلم فیہ سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ وہ اس قسم کے راویوں سے وہی حدیث لیتے ہیں جس کے بارے میں انہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث راوی کے پاس محفوظ ہے، جیسا کہ کبھی ثقہ کی بعض حدیث کو نہیں لیتے، کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس ثقہ راوی کو اس حدیث کے روایت کرنے میں غلطی واقع ہوئی ہے، بلکہ امام مسلم علیہ الرحمہ کبھی اس کی طرف اشارہ بھی کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: حماد کی حدیث میں بعض حرف زائد ہے، ہم نے اس کا ذکر قصداً چھوڑ دیا)

(ہے) (الدریۃ لابن حجر، رقم: ۱۳۶)

اور اسی قول سے صاحب تحفۃ الاحوذی مبارکپوری نے استدلال کیا کہ: (جو سند و متن ابن خزیمہ کی روایت میں ہے وہی سند و متن بغیر (علی صدرہ) کے صحیح مسلم میں بھی موجود ہے، اور صحیح مسلم کی صحیح الاسناد ہے، اس لئے صحیح ابن خزیمہ کی اسناد بھی صحیح ہونی چاہئے)

ڈاکٹر محمد عوامہ دام ظلہ فرماتے ہیں:

یہ ایک طرح سے مغالطہ ہے، کیونکہ اگر متن کو سند کے ساتھ ذکر کیا جائے پھر یہ کہا جائے کہ یہی حدیث صحیح مسلم میں ہے، تو اس طرح یعنی اتحاد سند کا قول کیا جاسکتا تھا، اگرچہ اس صورت میں بھی اشتباہ باقی رہ جاتا ہے، کیونکہ محدثین کرام کا طریقہ کار رہا ہے کہ جب باقی اسناد کے ساتھ مخرج متحد ہوتا ہے تو اس صورت میں وہ اس طرح کا جملہ استعمال کرتے ہیں، لیکن اگر متن کا ذکر کریں، اور سند کا بالکل ذکر ہی نہ ہو تو ایسی صورت میں اتحاد سند کا قول نہیں کیا جاسکتا، یہاں پر فتح الباری سے ابن حجر رحمہ اللہ کا قول نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، آپ فرماتے ہیں: (و حدیث وائل عند أبی داؤد، و النسائی ثم وضع یدہ الیمنی علی ظہر کفہ الیسری، و الرسغ مع الساعد، و صححہ ابن خزیمہ و غیرہ، و أصلہ فی مسلم بدون الزیادۃ) (ج ۲ ص ۲۲۲)

ابن حجر رحمہ اللہ اپنے اس قول سے صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ نے روایت کی ہے، اور ابن خزیمہ وغیرہ نے اس کی تصحیح بھی کی ہے، اور اس کی اصل یعنی مفہوم حدیث بغیر زیادتی ((علی صدرہ)) کے صحیح مسلم میں موجود ہے، انکی مراد قطعاً یہ نہیں کہ جو سند و متن ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ کی ہے وہی صحیح مسلم کی بھی ہے، اور یہی مفہوم و مفاد اس قول کا بھی ہے

(۲) حدیث ہلب رضی اللہ عنہ:

حدثنا يحيى بن سعيد عن سفیان حدثني سماك عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال: ((رأيت النبي صلى الله عليه وسلم ينصرف عن يمينه وعن يساره ورأيتَه قال: يضع هذه على صدره))
ترجمہ: حضرت ہلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ((میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ نماز سے فارغ ہو کر کبھی دہنی طرف تو کبھی بائیں طرف مڑ جاتے تھے، راوی فرماتے ہیں: میں نے انہیں کہتے ہوئے دیکھا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہاتھوں کو سینے پر رکھتے تھے)) (مسند احمد، رقم: ۲۱۹۶)

سند پر کلام:

اس حدیث کی سند میں ایک راوی قبیسہ متکلم فیہ ہیں، ان کے بارے میں امام مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (مجہول ہیں، سماک کے سوا کسی نے ان سے روایت نہیں کی، امام نسائی فرماتے ہیں: مجہول ہیں، اور سماک کے تفرّد کو امام مسلم نے بھی الوجدان میں ذکر کیا ہے، اور امام عجلی نے فرمایا: ثقہ ہیں، اور ابن حبان نے انہیں اپنی کتاب 'الثقات' میں ذکر کیا ہے) (تہذیب الکمال للزمزى، رقم: ۸۳۶، تہذیب التہذیب للعسقلانی، رقم: ۶۳۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی ان کے بارے خلاصہ کلام کے طور پر فرماتے ہیں: مقبول ہیں (التقریب، رقم: ۵۵۱۶)

اور یہ قبولیت مطلقاً نہیں بلکہ اس صورت میں ہے جبکہ راوی کے حدیث کی کوئی متابع موجود ہو، ورنہ مقبول نہیں بلکہ لین الحدیث قرار دئے جائیں گے (التقریب ص ۱۴)

اور موجودہ روایت میں قبیسہ روای کی (علی صدرہ) ذکر کرنے میں کوئی

اعتراض و جواب:

اگر یہ کہا جائے کہ شوکانی 'النیل' میں لکھتے ہیں: (شافعی حضرات اپنے موقف پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس کی تخریج ابن خزیمہ نے اپنی تصحیح کے ساتھ کی ہے، وہ وائل رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے، آپ فرماتے ہیں: صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فوضع يده اليميني على اليسرى على صدره) (نیل الأوطار للشوکانی، باب ماجاء فی وضع الیمن علی الشمال، ج ۲ ص ۲۲۰)

ڈاکٹر محمد عوامد امام ظفر فرماتے ہیں:

اگر شوکانی ابن خزیمہ کی تصحیح ذکر کرنے سے سکوت اختیار کرتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا، جیسا کہ حافظ ابن حجر اور امام نووی رحمہما اللہ اور دیگر حضرات جنہوں نے اس حدیث کو ذکر کیا مگر سکوت اختیار کیا اور ابن خزیمہ کی تصحیح کو ذکر نہیں کیا، کیونکہ اگر انہوں نے تصحیح فرمائی ہوتی تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جن کے پاس صحیح ابن خزیمہ کا اصل نسخہ تھا، جس کی وجہ سے انہوں نے اپنی کتابوں میں ان کی تصحیحات خوب ذکر کی ہیں، ضرور اس حدیث پر ان کی تصحیح نقل کرتے، اور رہی شوکانی صاحب کی بات تو ان کے پاس صحیح ابن خزیمہ تھی ہی نہیں، اس کے باوجود تصحیح ذکر کرنا عجیب ہے، شاید انہیں ابن سید الناس کے قول سے اشتباہ ہو گیا، یا یہ سمجھ بیٹھے کہ جو بھی حدیث ابن خزیمہ نے اپنی تصحیح میں ذکر کی ہے اس کی انہوں نے تصحیح فرمائی ہے، بہر حال ان کا یہ قول 'رکانہ' کی حدیث کے بارے میں ذکر کردہ قول کی طرح ہے، آپ کہتے ہیں: (ابوداؤد نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے) حالانکہ ابوداؤد کے تمام نسخوں میں مجھے یہ تصحیح نہیں ملی، واللہ اعلم (حاشیہ نصب الرایۃ ملخصاً، ج ۱ ص ۳۱۵)

رقم: ۳۱۰۹، مسند احمد، رقم: ۳۱۹۷۳، سنن ابی داؤد، رقم: ۱۰۴۱ (۲) زائدہ بن قدامہ
(مسند احمد، رقم: ۲۱۹۸۲) (۳) شریک بن عبد اللہ نخعی (مسند احمد، رقم: ۲۱۹۱۷)
(۴) ابوالاحوص سلام بن سلیم (سنن ابن ماجہ، رقم: ۸۰۹، ۹۲۹، سنن الترمذی، رقم:
۳۰۱، ۲۵۲) ان میں سے بعض نے حدیث کو مختصر روایت کیا ہے۔

اور سفیان ثوری نے اس حدیث کو سماک سے روایت کی ہے، سفیان ثوری
سے بھی اس حدیث کی روایت کرنے میں اختلاف ہے، یحییٰ بن سعید قطان نے
صرف ان سے اس زیادتی کا ذکر کیا ہے، وایت کرنے والوں کے نام یہ ہیں:

(۱) یحییٰ بن سعید قطان (مسند احمد، رقم: ۲۱۹۶۷) (۲) عبدالرزاق
(المصنف، رقم: ۳۲۰۷) (۳) عبد الرحمن بن مہدی (سنن الدارقطنی،
رقم: ۱۱۰۰) (۴) وکیع ابن جراح (مسند احمد، رقم: ۲۱۹۶۸، مصنف ابن ابی شیبہ، رقم:
۳۹۳۲) ان تین حضرات نے زیادتی کا ذکر نہیں کیا!

اگر برسبیل منزل مان لیا جائے کہ راوی قبضہ مقبول ہیں۔ اگرچہ صحیح یہی
ہے کہ ان کی روایت کے متابع نہ ہونے کی وجہ سے وہ لین الحدیث اور ان کی حدیث
ضعیف ہے۔ تو کیا ثقہ کی زیادتی مقبول ہوگی؟ آنے والی سطور میں ملاحظہ فرمائیں:

کیا ثقہ کی زیادتی مطلقاً مقبول ہے؟

اس روایت میں سفیان ثوری کے شاگردوں میں سے یحییٰ بن سعید ثقہ
(علی صدرہ) کی زیادتی کے ساتھ روایت کرنے میں منفرد ہیں، اور ثقہ کی زیادتی
مقبول ہوگی یا نہیں، اس باب میں مختلف قیود و شروط کے ساتھ مختلف مذاہب ہیں،
میں یہاں دو مشہور مذاہب ذکر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیں:

پہلا مذہب:

(معظم فقہاء و محدثین کی رائے یہ ہے کہ ثقہ کی زیادتی مطلقاً مقبول ہے) مگر

متابع موجود نہیں، لہذا ان کے لین الحدیث ہونے کے ساتھ ان کی روایت کردہ یہ
حدیث ضعیف ہوگی۔ واللہ اعلم۔

صاحب عون المعبود لکھتے ہیں: (اور راوی مجہول العین کی حدیث مقبول
ہے جبکہ راوی کی توثیق روایت کرنے والے علاوہ کسی اور نے کی ہو، ابن حجر رحمہ اللہ
'شرح الخبۃ' میں فرماتے ہیں: (اگر راوی کا نام ذکر کیا گیا اور اس سے صرف ایک
ہی راوی نے روایت کی ہے تو وہ مجہول العین ہے، ہاں اگر اس سے روایت کرنے
والے اس منفرد کے علاوہ کسی نے اس کی توثیق کی ہے تو اس صحیح یہ ہے کہ وہ مجہول العین
نہیں) اور یہاں پر قبضہ کی توثیق امام عجمی اور ابن حبان نے کی ہے، لہذا یہ حدیث
مقبول ہوگی)

صاحب العون کا یہ استدلال محل نظر ہے، کیونکہ ابن حجر رحمہ اللہ نے توثیق
کے بعد صرف مجہول العین ہونے کی نفی فرمائی ہے، رہی بات اس کے مقبول ہونے
کہ تو اس کے بارے میں کوئی صراحت نہیں فرمائی، البتہ آپ تقریب الجہد میں
فرماتے ہیں: (راوی مقبول ہے جبکہ اس کے حدیث کی متابع موجود ہو ورنہ وہ لین
الحدیث ہے) آپ کے اس قول سے پتہ چلتا ہے کہ امام عجمی متساہل کا انہیں ثقہ قرار
دینا، اور ابن حبان متساہل کا انہیں اپنی کتاب الثقات میں ذکر کرنا اس راوی کی
حدیث مقبول کرنے کے لئے کافی نہیں، بلکہ اس راوی کی روایت قبول کرنے کے
لئے اس کی روایت کا متابع بھی ہونا ضروری ہے!

نیز اس حدیث کا مدار سماک پر ہے، ان سے روایت کرنے میں راویوں کا
اختلاف ہے، سماک سے چار لوگوں نے روایت کی، اور ان میں سے کسی نے بھی
(علی صدرہ) کا ذکر نہیں کیا، ان کے نام یہ ہیں:

(۱) شعبہ بن حجاج (مسند الطیالسی، رقم: ۱۰۸۶، مصنف ابن ابی شیبہ،

میں کون اثبت ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ پانچ ہیں: یحییٰ بن سعید، وکیع بن جراح، عبد اللہ بن مبارک، عبد الرحمن بن مہدی، اور ابو نعیم فضل بن دکین (شرح علل الترمذی لابن رجب، ص ۲۹۸)

اس مذہب کے اعتبار سے یہ زیادتی والی روایت قابل احتجاج نہیں ہوگی۔
واللہ اعلم۔

ہلب رضی اللہ عنہ کی روایت کا حکم:

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ اس حدیث کی سند میں ایک روای قبیصہ متکلم فیہ ہونے کے ساتھ لین الحدیث ہیں، اور اس حدیث کی روایت کرنے میں ان کی کسی نے متابعت نہیں کی ہے، اس لئے ان کی یہ روایت مقبول نہیں بلکہ ضعیف ہوگی، اور اگر برسیل تنزل مان بھی لیا جائے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے قابل قبول ہے، تو بھی یہ حدیث قابل احتجاج نہیں، کیونکہ سفیان ثوری جو اس حدیث کے راوی ہیں ان کا مذہب خود اس حدیث کے خلاف ہے، امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اس قائدہ کے پیش نظر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اکثر حفاظ نے بہت ساری احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے) (شرح علل الترمذی، ص ۴۰۹)

نیز یہ کہ سفیان ثوری کے تلامذہ میں سے یحییٰ بن سعید کے علاوہ دیگر تلامذہ اور سماک کے تلامذہ کی روایت میں یہ لفظ یعنی (علی صدرہ) ثابت و محفوظ نہیں، نیز اس حدیث کو اپنی کتاب 'مسند' میں ذکر کرنے والے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا عمل خود اس حدیث کے برخلاف ہے، آپ کا اس حدیث کے خلاف عمل کرنا اگرچہ حدیث کے ضعف پر دلالت نہیں کرتا ہے مگر اس بات پر ضرور دال ہے کہ یہ حدیث قابل عمل و احتجاج نہیں، کیونکہ اگر قابل احتجاج ہوتی تو امام احمد بن حنبل - جو اگر کسی باب میں صحیح حدیث کے بجائے ضعیف ہو تو وہ اس ضعیف پر بھی عمل کرتے ہوئے نظر

ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مطلق قول کو مقید کیا، اور فرمایا: (ثقة کی زیادتی اس صورت میں مقبول ہے جبکہ اس کی اس زیادتی کی وجہ سے مد مقابل کی روایت کا انکار لازم نہ آئے) (فتح المغیث للسخاوی، ج ۱ ص ۱۷۵، ۱۷۷)

اس مذہب کے اعتبار سے اس روایت میں مذکور (علی صدرہ) کی زیادتی مقبول ہونی چاہئے، کیونکہ زیادتی کی روایت کرنے والے یحییٰ بن سعید ثقہ ہیں، نیز ان کی اس روایت سے مد مقابل راویوں کی روایت کا رد بھی لازم نہیں آتا، اس لئے یہاں پر یہ زیادتی مقبول ہونی چاہئے۔ واللہ اعلم۔

دوسرا مذہب:

اور بہت سے دیگر فقہاء و محدثین مثلاً ابن خزیمہ اور ابن عبد البر وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ زیادتی کا ذکر کرنے والے کے لئے لازم ہے کہ وہ ثقاہت میں، نہ ذکر کرنے والے راوی کے مساوی، یا اس سے اوثق، یا ذکر کرنے والے متعدد ثقات ہوں، اور نہ ذکر کرنے والا ایک ہی ثقہ ہو، تو ایسی صورت میں زیادتی مقبول ہوگی، اور اگر اس کا برعکس یعنی زیادتی کا ذکر کرنے والا، نہ ذکر کرنے والے سے ثقاہت میں مساوی نہیں بلکہ کم ہو، یا ذکر کرنے والے ثقات کی تعداد کم ہو، تو ایسی صورت میں یہ زیادتی مقبول نہیں ہوگی (فتح المغیث للسخاوی، ج ۱ ص ۱۷۶)

اس مذہب کے اعتبار سے لازم آئے گا کہ یہاں پر زیادتی والی روایت مقبول نہ ہو، کیونکہ یحییٰ بن سعید اگرچہ سفیان ثوری سے روایت کرنے والوں میں اثبت ہیں، مگر وہ زیادتی کی روایت کرنے میں تہا ہیں، اور روایت نہ کرنے والے وکیع بن جراح اور عبد الرحمن بن مہدی سفیان ثوری کے شاگردوں میں اثبت ہونے کے ساتھ ساتھ زیادہ بھی ہیں، امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے اصحاب ثوری کے بارے میں پوچھا گیا کہ ان

فرمایا: قوی نہیں ہیں، اور ابن عدی نے فرمایا: وہ میرے نزدیک مثبت صدوق ہیں (میزان الاعتدال، رقم: ۳۵۱۸) **ثالثاً:** یہ حدیث مرسل ہے، کیونکہ طاؤس تابعی ہیں، آپ نے جن سے یہ حدیث سنی ہے ان کا ذکر نہیں کیا۔

طاؤس رحمہ اللہ کی روایت کا حکم: یہ روایت ضعیف

ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں ابن قیم کی رائے:

اس مسئلہ میں ابن قیم جوزیہ کی رائے ملاحظہ فرمائیں، آپ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے نماز کی حالت میں ناف کے اوپر اور ناف کے نیچے رکھنے کی روایت ملتی ہے، ابوطالب فرماتے ہیں: میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا، نماز کی حالت میں نمازی ہاتھ کہاں رکھے گا؟ آپ نے فرمایا: ناف پر یا ناف سے نیچے رکھے گا، بہر حال آپ کے نزدیک اس مسئلہ میں وسعت ہے، چاہے ناف سے اوپر یا ناف پر یا ناف سے نیچے رکھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نماز کی حالت میں ہاتھ کو ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھنا سنت ہے، اس طرح کی وضاحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، مگر یہ روایت صحیح نہیں، ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ضرور صحیح ہے، اور مزنی کی روایت میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہاتھ ناف کے تھوڑا نیچے رکھا جائے، اسے سینہ کے اوپر رکھنا مکروہ ہے، کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے تکفیر یعنی سینے پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا ہے، اور مؤمل بن اسماعیل نے اگرچہ علی صدرہ کا ذکر کیا ہے، مگر عبد اللہ بن ولید نے اس حدیث کو سفیان ثوری سے روایت کیا اور علی صدرہ کا ذکر نہیں کیا، اسی طرح سے شعبہ اور عبد الواحد نے سفیان ثوری کی مخالفت کی اور علی صدرہ کا ذکر نہیں کیا (بدائع الفوائد لابن القیم، ج ۳ ص ۹۱)

آتے ہیں۔ ضرور اس حدیث پر عمل کرتے، نیز اس باب میں ابھی ابھی محدثین و محققین کے موقف کا بیان گزرا کہ اگر راوی کا عمل روایت کے خلاف ہو تو راوی کے عمل کو لیا جائے گا، بہر حال یہ روایت بھی ضعیف اور زیر بحث مسئلہ میں قابل احتجاج نہیں۔ واللہ اعلم۔

فائدہ: صاحب عون المعبود اور صاحب تحفۃ الاحوذی کا (علی صدرہ) والی اس روایت کو دوسرے جرح کے اقوال سے صرف نظر کرتے ہوئے صحیح قرار دینا محل نظر ہے، خاص طور سے اس صورت میں جبکہ جرح کے مقابلاً بلہ میں راوی قبضہ کو لوثقہ قرار دینے والے امام عجل اور ابن حبان نسائین میں سے ہوں!! واللہ اعلم۔

(۳) روایت طاؤس رحمہ اللہ:

حدثنا أبو توبة، حدثنا الهيثم يعني ابن حميد، عن ثور، عن سليمان بن موسى، عن طاؤس قال: كان رسول الله ﷺ: ((يضع يده اليمنى على يده اليسرى، ثم يشد بينهما على صدره و هو في الصلاة)) (سنن أبي داود، رقم: ۷۵۹)

ترجمہ: حضرت طاؤس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ((رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کی حالت میں اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر مضبوطی سے باندھ لیتے تھے))

سند پر کلام:

اولاً: ہیشم بن حمید، متکلم فیہ ہیں، ابوداؤد نے ان کی توثیق کی ہے، اور علی بن مسہر نے فرمایا: ضعیف، قدری ہیں (میزان الاعتدال للذہبی، رقم: ۹۲۹۸) **ثانیاً:** سلیمان بن موسیٰ، امام بخاری نے فرمایا: ان کے پاس مناکیر ہیں، اور ابوحاتم نے فرمایا: محلہ الصدق، اور ان کی حدیث میں بعض اضطراب ہے، اور امام نسائی نے

تیسری وجہ: بلکہ ائمہ ثلاثہ اور ان کے تمام تابعین کا عمل اس حدیث کے برخلاف ہے، اور شوافع اگرچہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے استدلال کرتے ہیں، مگر وہ اس حدیث کے ظاہری معنی پر عمل نہیں کرتے، بلکہ تاویل یا دوسری روایت کے پیش نظر سینے کے نیچے ہی ہاتھ باندھنا مستحب قرار دیتے ہیں، بہر کیف بارہویں صدی میں پیدا ہونے والی غیر مقلدیت سے پہلے پوری دنیا انہیں ائمہ کرام کی اتباع کرتی تھی، اور آج بھی اکثریت انہیں قرونِ فاضلہ اور سلف صالحِ علما کی اتباع کرتی ہے، لہذا پوری امت محمدیہ کے خلاف جانا جائز و درست نہیں، امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اگر امت مسلمہ کا کسی حدیث کے ترک عمل پر اجماع ہو جائے تو اس کا چھوڑ دینا اور اس پر عمل نہ کرنا واجب ہے) (الاشفاق علی احکام الطلاق للکوثری، ص ۴۶)

یہاں زیر بحث مسئلہ کی روایات سے استدلال نہ کرنے پر اجماع تو نہیں، لیکن اگر شوافع کا ان روایات کے ظاہری معنی پر عمل نہ کرنے کو لے لیا جائے تو یہاں پر ان روایات کے موافق عمل نہ کرنے پر صورت اجماع ضرور ہے، کیونکہ شوافع خود وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کے ظاہری معنی پر عمل نہیں کرتے، بلکہ دوسری حدیث - جس میں وارد ہے کہ سینے کے نیچے ہاتھ رکھا جائے - اسے اس روایت کے لئے مفسر مانتے ہیں، اور سینے کے نیچے ہاتھ رکھنے کو مستحب جانتے مانتے ہیں، دیکھیں: (اسنی المطالب فی شرح روض الطالب لزرکریا انصاری شافعی، ج ۱ ص ۱۴۵)

بہر حال بارہویں صدی ہجری میں پیدا ہونے والی غیر مقلدیت سے پہلے پوری امت مسلمہ کم از کم ان روایات کے ظاہری معنی کے موافق عمل نہ کرنے پر متفق تھی، اس لئے آج بھی ان روایات کے ظاہری معنی پر عمل کرنا جائز و درست نہیں

خلاصہ بحث: (الف) وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ پہلی حدیث ضعیف ہے (ب) اور ہلب رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ دوسری حدیث بھی ضعیف ہے (ت) اور طاؤس رحمہ اللہ کی روایت مرسل ہے، اور مرسل غیر مقلدین کے نزدیک قابل احتجاج نہیں (ث) غیر مقلدین کے طریقہ کار کے پیش نظر سینے پر ہاتھ رکھنے والی ساری احادیث ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل احتجاج نہیں، لہذا ان کے لئے ان روایات ضعیفہ پر عمل روا نہیں، مگر وہ عمل کرتے ہیں!!

وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لئے

شاهد پھر بھی قابل احتجاج نہیں!

(ج) اگر غیر مقلدین پر رحم کھایا جائے - جو امام ترمذی رحمہ اللہ کو متساہل کہتے نہیں تھکتے - تو امام ترمذی رحمہ اللہ کے طریقہ کار کی پیروی کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ان غیر مقلدین کی قوی تر دلیل وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لئے ہلب رضی اللہ عنہ اور طاؤس کی روایت شاہد بن سکتی ہے، اس لئے وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن لغیرہ تک پہنچ جائے گی، مگر میرے نزدیک پھر بھی اس باب کی حدیث پر عمل کرنا روا نہیں، اس کے چند وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: پہلی اور دوسری حدیث کی سند میں سفیان ثوری ہیں، ان کا عمل خود اس روایت کے خلاف ہے، اور ایسی صورت میں عمل روایت پر مقدم ہوگا، امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اس قاعدہ کے پیش نظر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اکثر حفاظ نے بہت ساری احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے)

دوسری وجہ: دوسری حدیث کی تخریج امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں کی ہے مگر ان کا عمل خود اس حدیث کے برخلاف ہے جیسا کہ ماقبل میں ابن قیم جوزیہ کے بیان سے واضح ہے۔

فہرست مراجع

- (۱) اسنی المطالب فی شرح روض الطالب لזکریا الانصاری (ت ۹۲۶ھ) الناشر: دار الکتاب الاسلامی، عددالأجزاء: ۴.
- (۲) الإشفاق علی احکام الطلاق للکوثری، مطبع: المکتبۃ الازہریہ للتراث.
- (۳) بدائع الفوائد لابن القیم، مطبع: دارالکتب العربی، بیروت، عددالأجزاء: ۴.
- (۴) تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی (ت ۸۵۲ھ) الناشر: مطبعة دائرة المعارف الاسلامیة، الهند، الطبعة: الأولى، ۱۳۲۶ھ، عددالأجزاء: ۱۲.
- (۵) تقریب التہذیب لابن حجر العسقلانی (ت ۸۵۲ھ) تحقیق: محمد عوامہ، الناشر: دار الرشید، سوريا، الطبعة: الأولى، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶م، عددالأجزاء: ۱.
- (۶) السنن الکبری للبیہقی (ت ۴۵۸ھ) تحقیق: محمد عبدالقادر عطا، الناشر: دارالکتب العلمیة، بیروت، الطبعة: الثالثة، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۳م.
- (۷) سنن ابن ماجہ (ت ۲۴۳ھ) تحقیق: محمد فواد عبدالباقی، الناشر: دار احیاء الکتب العربیة، فیصل عیسی البابی الحلی، عددالأجزاء: ۲.
- (۸) سنن ابی داؤد (ت ۲۴۵ھ) تحقیق: محمد محی الدین، الناشر: المکتبۃ العصریة، صیدا، بیروت، عددالأجزاء: ۴.
- (۹) سنن الترمذی (ت ۲۴۹ھ) تحقیق: احمد محمد شاكر وغيره، الناشر: مصطفى البابی الحلی، مصر، الطبعة: الثانية، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵م، عددالأجزاء: ۵.
- (۱۰) سنن الدارقطنی (ت ۳۸۵ھ) تحقیق: شعيب الأرنؤط وغيره، الناشر: مؤسسة الرسالة، بیروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۴ھ/۲۰۰۴م، عددالأجزاء: ۵.

ہوگا، واللہ اعلم.

میں نے اس بحث کو لکھنے میں دیگر کتابوں کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر عوامہ دام ظلہ کا موجود نصب الرایہ پر حاشیہ اور ماہر یاسین بیٹی کے رسالہ اثر علل الحدیث فی اختلاف الفقہاء سے مدد لی ہے، و الحمد لله بنعمته تتم الصالحات و الصلوٰة والسلام علی سید المرسلین و علی آلہ صحبہ و من تبعہم باحسان الی یوم الدین.

- (٢١) مسند الحميدى (ت ٢١٩هـ) تحقيق: حسن سليم الداراني، الناشر: دار السقا، دمشق، سوريا، الطبعة: الأولى، ١٩٩٦م، عدد الأجزاء: ٢.
- (٢٢) مسند الطيالسي، الناشر: دار المعرفة، بيروت، عدد الأجزاء: ١.
- (٢٣) مصنف عبد الرزاق (ت ٢١١هـ) تحقيق: حبيب الرحمن اعظمي، المكتب الاسلامي، بيروت، الطبعة: الثانية، ١٤٠٣هـ، عدد الأجزاء: ١١.
- (٢٤) مصنف ابن أبي شيبة، (ت ٢٣٥هـ) تحقيق: كمال يوسف الحوت، الناشر: مكتبة الرشاد- الرياض، الطبعة الأولى، ١٤٠٩هـ، عدد الأجزاء: ٤.
- (٢٥) المنقح لابن الجارود (ت ٣٠٤هـ) تحقيق: عبد الله عمر البارودي، الناشر: مؤسسة الكتاب الثقافية، بيروت، الطبعة: الأولى، ١٤٠٨هـ/١٩٨٨م، عدد الأجزاء: ١.
- (٢٦) ميزان الاعتدال للذهبي (ت ٤٢٨هـ) تحقيق: علي محمد الجاوي، الناشر: دار المعرفة، بيروت، الطبعة: الأولى، ١٣٨٢هـ/١٩٦٣م، عدد الأجزاء: ٢.
- (٢٧) نيل الأوطار للشوكاني (ت ٢١٥٠هـ) تحقيق: عصام الدين، الناشر: دار الحديث، مصر، الطبعة: الأولى، ١٤١٣هـ/١٩٩٣م، عدد الأجزاء: ٨.

- (١١) سنن الدارمي (ت ٢٥٥هـ) تحقيق: حسين سليم الداراني، الناشر: دار المعنى، السعودية، الطبعة: الأولى، ١٤١٢هـ/٢٠٠٠م، عدد الأجزاء: ٢.
- (١٢) سنن النسائي (ت ٣٠٣هـ) تحقيق: عبدالفتاح ابو غده، الناشر: مكتب المطبوعات، حلب، الطبعة: الثانية، ١٤٠٦/١٩٨٦م، عدد الأجزاء: ٨.
- (١٣) شرح علل الترمذي لابن رجب الحنبلي (ت ٤٩٥هـ) تحقيق: صفي السامرائي، مطبع: عالم الكتب، الطبعة: الثالثة، ١٤١٦هـ/١٩٩٦م.
- (١٤) صحيح ابن خزيمة، (ت ٣١١هـ) تحقيق: محمد مصطفى اعظمي، الناشر: المكتب الاسلامي، بيروت، عدد الأجزاء: ٢.
- (١٥) فتح الباري لابن حجر (ت ٨٥٢هـ) الناشر: دار المعرفة، بيروت، ١٣٤٩هـ، ترقيم و تبويب: محمد فؤاد عبد الباقي، تعليق: عبدالعزيز بن عبد الله بن باز، عدد الأجزاء: ١٣
- (١٦) فتح المغيبي للسخاوي (ت ٩٠٢هـ) تحقيق: مجدى فتحى، الناشر: المكتبة التوفيقية.
- (١٧) قرّة العينين برفع اليدين فى الصلاة للبخارى (ت ٢٥٦هـ) تحقيق: احمد الشريف، الناشر: دار الازم، الكويت، الطبعة: الأولى، ١٤٠٢هـ/١٩٨٣م، عدد الأجزاء: ١.
- (١٨) الكاشف للذهبي (ت ٤٢٨هـ) تحقيق: محمد عوامه، الناشر: دار القبلة للثقافة الاسلامية، جدة، الطبعة: الأولى، ١٤١٣هـ/١٩٩٢م.
- (١٩) المستخرج لابي عوانه (ت ٣١٦هـ) تحقيق: ايمن بن عارف الدمشقي، دار المعرفة، بيروت، الطبعة: الأولى، ١٤١٩هـ/١٩٩٨م، عدد الأجزاء: ٥.
- (٢٠) مسند احمد بن حنبل (ت ٢٤١هـ) تحقيق: شعيب الأرنؤوط وغيره، الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى، ١٤٢١هـ/٢٠٠١م

غریب ضرور ہے، کیونکہ قبر انور تو حضور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد وجود میں آئی، پھر حضور ﷺ نے اپنی قبر کے بارے میں کیسے خبر دے دی!! بعض علمائے کرام نے اس تعلق سے اپنی آراء پیش کیں، اس وقت میرے ذہن میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دو جواب آئے تھے، میں بھی تھوڑی کوشش کے بعد ایک جواب ان مشائخ کے درمیان پیش کرنے کی جسارت کر سکا، اور رہا دوسرا جواب تو وہ میرے ذہن ہی میں رہ گیا، اور اسے عرض نہیں کر سکا، بہر حال مسئلہ اس وقت پورے طور سے حل نہیں ہو سکا، اور میری ایک اچھی عادت ہے کہ مسئلہ اگر حل نہ ہو تو خلیجان-خاص طور سے اگر مسئلہ حدیث سے متعلق ہو-دل میں باقی رہتا ہے، اسی عادت کی بنا پر جب میں ربیع الاول شریف کے بعد ہندوستان سے جامعہ ازہر مصر آ رہا تھا، بحرین میں چھ سات گھنٹے کا وقفہ تھا، میں نے اسی وقفے کے درمیان اپنے لپ ٹاپ میں موجود کتابوں کے ذریعہ اس مسئلہ کے حل کے لیے کافی حد تک مواد جمع کر لیا تھا، مگر تعلیمی مصروفیت یا کہہ لیجئے کہ سستی کی وجہ سے میں اس مسئلہ کے مباحث کو قلم بند نہیں کر سکا، بہر حال آج میں اس حدیث کے مباحث کو قلم بند کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، اور یہ عرس مارہرہ مقدسہ ہی کی برکتوں میں سے ایک عظیم برکت ہے، شاید اگر مجھے وہاں حاضری کا شرف حاصل نہیں ہوتا تو میں یہ تحریر و تحقیق اب تک قارئین کرام کے سامنے پیش نہیں کر سکتا، اللہ اہل مارہرہ شریف کے فیوض و برکات کو عام و تام فرمائے، آمین۔

اس تحقیق میں سب سے پہلے میں ان احادیث کو ذکر کروں گا جن میں لفظ 'قبر' کا ذکر ہے، پھر بحث و تہیص کے بعد ان احادیث کی اسانید کا حکم باعتبار صحت و ضعف بیان کروں گا، اور اختصار کے پیش نظر راویوں کا ترجمہ، اور ان کا ثقہ و ضعف بیان کرنے کے لیے میں صرف حافظ ابن حجر کی کتاب تقریب التہذیب اور امام مزنی

حدیث

((ما بین قبری و منبری))

روضة من رياض الجنة))

کی تحقیق انیق

بسم الله الرحمن الرحيم

دو ہزار بارہ میں مارہرہ مقدسہ کی سرزمین پر عرس کا سما تھا، فیوض و برکات بٹ رہے تھے، مجھ ناچیز کو بھی اس سال پہلی بار عرس مقدس میں شریک ہو کر فیوض و برکات سمیٹنے کا موقع ملا، عرس کے دوسرے دن کی صبح تھی، علمائے کرام و مفکرین عظام بعد نماز فجر امت مسلمہ کی زبوں حالی پر گفتگو کر رہے تھے، میں بھی اس علمی مجلس کو غنیمت سمجھ کر شریک مجلس ہو گیا، گفتگو کے دوران ان علمائے کرام اور مفکرین عظام نے اپنے تجربات کی روشنی میں میری بھی بعض الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھایا، اللہ تعالیٰ ان مخلص علمائے کرام کو تادیر قائم و دائم رکھے، آمین، امت کی زبوں حالی پر گفتگو کرتے ہوئے ایک مشہور حدیث: ((ما بین قبری و منبری روضة من رياض الجنة)) ترجمہ: ((میری قبر اور میرے منبر کا درمیانی فاصلہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے)) پر گفتگو شروع ہو گئی، جس کے مقابل صحیح بخاری و مسلم وغیرہ کی دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ((ما بین بیتي و منبری روضة من رياض الجنة)) ترجمہ: ((میرے گھر اور میرے منبر کا درمیانی فاصلہ جنت کی مقدس جگہوں میں سے ایک جگہ ہے)) بظاہر دونوں حدیثوں کے درمیان تعارض نظر آ رہا ہے، اس لیے کہ حدیث میں ((بیتی)) کا ذکر غریب نہیں، کیونکہ حضور نبی کریم ﷺ کے پاس گھر تھا، البتہ حضور ﷺ کا اپنی قبر کا اس طور سے ذکر کرنا ظاہری طور پر عجیب و

قرار دیا ہے (رفع المنارة، ص ۳۰۴-۳۱۷) آپ نے خبیب بن عبد الرحمن وغیرہ سے، اور آپ سے اسماعیل بن یحییٰ شیبانی وغیرہ نے روایت کی ہے (۴) خبیب بن عبد الرحمن، یہ ابوالخارث مدنی ثقہ ہیں (ت ۳۲ھ) آپ نے حفص بن عاصم وغیرہ سے روایت کی ہے (۵) حفص بن عاصم، یہ حفص بن عمر بن الخطاب عمری ثقہ ہیں (آپ کی وفات ایک صدی ہجری کے بعد ہوئی) آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کی ہے (۶) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

حکم روایت: امام مزنی رحمہ اللہ نے ابواسامہ اور ابن نمیر کے ترجمہ میں عبد اللہ بن عمر عمری کو ان دونوں کے ساتھ میں، اور نہ ہی عبد اللہ بن عمر عمری کے ترجمہ میں ان دونوں کو ان سے روایت کرنے والوں میں ذکر کیا ہے، حالانکہ ان دونوں کا عبد اللہ عمری کے معاصر ہونے کی وجہ سے ان سے سماع ممکن ہے، مگر میرا رجحان اس طرف ہے کہ یہ عبد اللہ بن عمر عمری نہیں بلکہ ان کے بھائی عبید اللہ بن عمر عمری ثقہ ہیں، کیونکہ ان دونوں کے ترجمہ میں امام مزنی رحمہ اللہ نے عبید اللہ عمری کو ان کے شیوخ، اور عبید اللہ عمری کے ترجمہ میں ان دونوں کو ان سے روایت کرنے والوں میں ذکر کیا ہے، نیز ابن ابی عاصم نے اپنی کتاب السنۃ میں عبید اللہ بن عمر عمری ذکر کیا ہے، جیسا کہ آنے والی روایت میں اس کا بیان آ رہا ہے، بہر حال اگر عبد اللہ عمری ہیں تو حدیث حسن الاسناد، اور اگر ان کے بھائی عبید اللہ عمری ہیں تو حدیث صحیح الاسناد ہے، واللہ اعلم۔

فائدہ: مصنف ابن ابی شیبہ کی سند میں ایک راوی جن کا نام خبیب بن عبد الرحمن ہے حبیب لکھا ہوا ہے، صحیح یہ کہ وہ خبیب ہی ہیں، کیونکہ عبد اللہ بن عمر عمری یہ حبیب سے نہیں بلکہ خبیب سے روایت کرتے ہیں، اور خبیب حفص بن عاصم سے روایت کرتے ہیں نہ کہ حبیب، اس لیے صحیح یہ ہے کہ سند میں ذکر کردہ راوی خبیب

رحمہما اللہ کی کتاب تہذیب الکمال فی اسما الرجال پر اکتفا کروں گا، اور جہاں کسی اور کتاب کی طرف رجوع کروں گا وہاں اس کی صراحت کر دوں گا، پھر اس کے بعد محدثین کرام کی توجیہات پیش کر کے ان شاء اللہ خلاصہ کلام کے طور پر نتیجہ بیان کرنے کی کوشش کروں گا، و ما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت و إلیہ أنیب۔

(۱) حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ:

ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(الف) حدثنا أبو أسامة، و ابن نمير، عن عبد الله بن عمر، عن حبيب بن عبد الرحمن، عن حفص بن عاصم، عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال رسول الله ﷺ:

((ما بين قبرى و منبرى روضة من رياض الجنة، و منبرى

على الحوض)) ترجمہ: ((میری قبر اور منبر کا درمیانی فاصلہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے، اور میرا منبر حوض کوثر پر ہے)) (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم:

31659)

سند پر کلام:

(۱) ابواسامہ، یہ حماد بن اسامہ کو فی ثقہ ہیں کبھی کبھی تدلیس بھی کرتے ہیں (ت ۲۰۱ھ) آپ نے اسی سال کی عمر پائی، آپ نے عبید اللہ بن عمر عمری وغیرہ سے، اور آپ سے ابن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کی ہے (۲) ابن نمیر، یہ عبد اللہ بن نمیر ابو ہشام کو فی ثقہ ہیں (ت ۱۹۹ھ) آپ نے چوراسی سال کی عمر پائی، آپ نے عبید اللہ بن عمر عمری وغیرہ سے روایت کی ہے، آپ سے ابن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کی ہے (۳) عبد اللہ بن عمر، یہ ابو عبد الرحمن عمری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک ضعیف ہیں (ت ۱۷۱ھ) لیکن ڈاکٹر محمود سعید مدوح نے انہیں حسن الحدیث

حدیث کو شعبہ سے صرف تکی بن عباد ابو عباد نے روایت کی ہے) (مسند البز اررا البحر الزخار، رقم: ۸۲۰۰)

سند پر کلام:

(۱) حسن بن محمد زعفرانی، یہ ابو علی بغدادی ثقہ ہیں (ت ۲۶۰ھ) آپ ابو عباد تکی بن عباد ضعیفی وغیرہ سے روایت کرتے ہیں (۲) تکی بن عباد ابو عباد، یہ بصری صدوق ہیں (ت ۲۹۸ھ) آپ نے شعبہ بن الحجاج وغیرہ سے روایت کی ہے (۳) شعبہ، یہ شعبہ بن الحجاج عتکی ابو بسطام ثقہ، حافظ، متقن ہیں (ت ۱۶۰ھ) آپ نے خیب بن عبد الرحمن وغیرہ سے روایت کی ہے، اور باقی راویوں کے تراجم کا بیان ماقبل سے پہلی والی روایت میں گزر چکا۔

حکم روایت: حسن الاسناد، واللہ اعلم.

(۳/۲) حدیث علی بن ابی طالب و ابی

هریره رضی اللہ عنہما:

امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(الف) حدثنا عبد الصمد بن سليمان المقرئ، قال: نا أبو نباتة يونس بن يحيى، قال: نا سلمة بن وردان، عن أبي سعيد بن أبي المعلى، عن علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ، و أبي هريرة رضی اللہ عنہ، عن النبي ﷺ، قال:

((ما بين قبري و منبري روضة من رياض الجنة)) أو قال:
((ما بين بيتي و منبري روضة من رياض الجنة)) (مسند البز اررا البحر الزخار، رقم: ۵۱۱)

ہیں۔

ابن ابی عاصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ب) حدثنا أبو أسامة، و ابن نمير، عن عبيد الله بن عمر،

عن خبيب بن عبد الرحمن، عن حفص بن عاصم، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ:

((ما بين قبري و منبري روضة من رياض الجنة، و منبري

على الحوض)) (السنن لابن ابی عاصم، رقم: ۷۳۱)

حکم روایت: اس روایت کی سند پر اس سے پہلی والی حدیث میں

کلام گزر چکا، اس کتاب میں اسامہ اور ابن نمیر کا عبید اللہ بن عمر عمری سے روایت کرنا مذکور ہے، اس اعتبار سے یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ واللہ اعلم.

امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ت) حدثنا الحسن بن محمد الزعفراني، قال: حدثنا يحيى

بن عباد أبو عباد، قال: حدثنا شعبة، عن خبيب بن عبد الرحمن، عن

حفص بن عاصم، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ، قال: قال رسول اللہ ﷺ:

((ما بين قبري و منبري روضة من رياض الجنة، و منبري

على ترعة من ترع الجنة)) ترجمہ: ((میری قبر اور میرے منبر کے درمیان کا فاصلہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے، اور میرا منبر جنت کی مقدس جگہوں میں سے ایک جگہ پر ہے))

امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (و هذا الحديث لانعلم رواه عن

شعبة إلا يحيى بن عباد أبو عباد) ترجمہ: (میرے علم کے مطابق اس

کلام گزر چکا، غالباً عبدالصمد بن سلیمان مروزی اور مقری ایک ہی ہیں، بہر حال مجھے ان کا ترجمہ بھی نہیں مل سکا، یہ روایت بھی ضعیف الاسناد ہے، واللہ اعلم۔

(۴) حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(الف) حدثنا عفان، حدثنا عبد الواحد یعنی ابن زیاد، حدثنا

إسحاق بن شرفی مولی عبد اللہ بن عمر، قال: حدثنا أبو بکر بن

عبد الرحمن بن عبد اللہ بن عمر، عن عبد اللہ بن عمر، قال: حدثني

أبو سعيد الخدری رضی اللہ عنہ، قال: قال رسول اللہ ﷺ:

((ما بين قبري و منبري روضة من رياض الجنة))

قال عبد اللہ: قال أبي: إسحاق بن شرفی، حدثنا عنه محمد

بن فضیل، حدثنا إسحاق بن عبد الرحمن، و قال عبد الواحد بن

زیاد: إسحاق بن شرفی. ترجمہ: (امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے

صاحبزادے عبداللہ کہتے ہیں: میرے والد نے کہا: اسحاق بن شرفی، ان سے محمد بن

فضیل نے روایت کی اور کہا: ہم سے اسحاق بن عبد الرحمن نے حدیث بیان کی، اور

عبدالواحد نے کہا: اسحاق بن شرفی) (مسند احمد بن حنبل، رقم: ۱۱۶۱۰) یعنی اسحاق بن

شرفی اور اسحاق بن عبد الرحمن ایک ہی ہیں۔

سند پر کلام:

(۱) عفان، یہ عفان بن مسلم ابو عثمان الباہلی ثقہ، ثبت ہیں (ت ۲۱۹ھ)

آپ نے عبد الواحد بن زیاد وغیرہ سے، اور آپ سے امام احمد بن حنبل وغیرہ نے

روایت کی ہے (۲) عبد الواحد بن زیاد، یہ ابو بشر عبدی بصری ثقہ ہیں (ت

سند پر کلام:

(۱) عبد الصمد بن سلیمان مقری مجھے ان کا ترجمہ نہیں مل سکا (۲) ابونباتہ

یونس بن یحییٰ، یہ مدنی صدوق ہیں (ت ۲۰۷ھ) آپ نے سلمہ بن وردان وغیرہ سے

روایت کی ہے (۳) سلمہ بن وردان، یہ ابو یعلیٰ مدنی ضعیف ہیں (ت ۱۵۳ھ) آپ

نے ابوسعید بن ابی معلىٰ وغیرہ سے روایت کی ہے (۴) ابوسعید بن ابی معلىٰ، یہ مدنی

مقبول ہیں (آپ کی وفات ایک صدی ہجری کے بعد ہوئی) آپ علی بن ابی طالب

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں (۵) صحابی رسول علی بن ابی طالب

رضی اللہ عنہ، و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

حکم روایت: ضعیف الاسناد، واللہ اعلم۔

امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ب) حدثنا عبد الصمد بن سلیمان المروزی، قال: حدثنا

أبو نباتة، قال: حدثنا سلمة بن وردان، عن أبي سعيد بن المعلى، عن

علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ، و أبي هريرة رضی اللہ عنہ، عن

النبي ﷺ قال:

((ما بين قبري و منبري روضة من رياض الجنة، و صلاة في

مسجدي أفضل من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد

الحرام)) ترجمہ: ((میری قبر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کی

کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے، اور میری مسجد میں ایک نماز - سوائے مسجد حرام

کے - دوسری تمام مسجدوں کی ایک ہزار نماز سے افضل ہے)) (مسند البزار المحرر

الزخار، رقم: ۷۶۲۲)

حکم روایت: اس روایت کی سند پر اس سے پہلی والی حدیث میں

سند پر کلام:

(۱) علی بن عبد الرحمن بن محمد بن مغیرہ، یہ مصری ہیں، ان کا لقب علان ہے، آپ صدوق ہیں (ت ۲۷۲ھ) آپ سے ابو جعفر طحاوی وغیرہ نے روایت کی ہے، امام مزنی نے آپ کے شیوخ میں عفان بن مسلم کو ذکر نہیں کیا، اور نہ ہی آپ کو عفان بن مسلم کے شاگردوں میں شمار کیا ہے، اور اس کا ذکر مجھے بعض دوسری کتابوں میں بھی نہیں مل سکا (۱) محمد بن علی بن داؤد، یہ ابن اخت غزال سے مشہور ہیں، آپ ثقہ ہیں (ت ۲۶۴ھ) آپ نے عفان بن مسلم وغیرہ سے، اور آپ سے امام ابو جعفر طحاوی وغیرہ نے روایت کی ہے (تاریخ ابن یونس المصری، رقم: ۵۸۰، وتاریخ دمشق لابن عساکر، رقم: ۶۷۹۳) باقی راویوں پر کلام اس سے پہلی والی روایت میں گزر چکا۔

حکم روایت: منقطع الاسناد، واللہ اعلم۔

ابویعلیٰ موصلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ت) حدثنا زهير، حدثنا عفان بن مسلم، حدثنا عبد الواحد بن زياد، حدثنا إسحاق بن شرفي مولى ابن عمر، قال: حدثني أبو بكر بن عبد الرحمن بن عبد الله بن عمر، عن عبد الله بن عمر، قال: حدثني أبو سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ:

((ما بين قبري و منبري روضة من رياض الجنة)) (مسند أبي يعلى الموصلي، رقم: ۱۳۴۱)

سند پر کلام:

(۱) زهير، یہ زهير بن حرب بن شداد ابو خيثمة نسائي ثقہ، ثبت ہیں (ت

۱۷۶ھ) آپ نے اسحاق بن شرفی وغیرہ سے (المؤتلف والمختلف للدارقطني، باب شرفی وشرفی) روایت کی ہے (۳) اسحاق بن شرفی مولیٰ عبد اللہ بن عمر، بعض نے انہیں اسحاق بن مغیرہ، اور بعض نے اسحاق بن عبد الرحمن کہا، بہر حال وہ ثقہ ہیں (العلل ومعرفۃ الرجال لاحمد بن حنبل، رقم: ۴۱۶۶، الثقات لابن شاپین، رقم: ۶۳) آپ نے ابو بکر بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن عمر وغیرہ سے روایت کی ہے (۴) ابو بکر بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن عمر، یہ ابو بکر بن عمر بن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن عمر مدنی ثقہ ہیں (آپ کی وفات ایک صدی ہجری کے بعد ہوئی) آپ نے اپنے والد کے دادا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کی ہے، مگر آپ کی روایت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقطع ہے (البحر والتعديل لابن ابی حاتم، رقم: ۱۴۹۱) (۵) صحابی رسول عبد اللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما (۶) صحابی رسول ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ۔

حکم روایت: منقطع الاسناد، واللہ اعلم۔

امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ب) و حدثنا علي بن عبد الرحمن بن محمد بن المغيرة، و محمد بن علي بن داؤد قالوا: حدثنا عفان بن مسلم، قال: حدثنا عبد الواحد بن زياد، قال: حدثنا إسحاق بن شرفي مولى آل عمر، قال: حدثني أبو بكر بن عبد الرحمن أن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما، قال: حدثني أبو سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ:

((ما بين قبري و منبري روضة من رياض الجنة)) (شرح

مشکل الآثار، رقم: ۲۸۷۹)

اس حدیث کے صحابی ان کے بیٹے عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما ہیں (اسد الغابۃ لابن الاثیر، رقم: ۴۳۲۳)

حکم روایت: ضعیف الاسناد، واللہ اعلم.

(۶) حدیث عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ:

امام ابو بکر رویانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نا محمد بن بشار، نا عبد الرحمن بن مہدی، نا مالک بن انس، عن عبد اللہ بن ابی بکر، عن عباد بن تمیم، عن عبد اللہ بن زید، أن النبی ﷺ قال:

((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة)) (مسند الرویانی، رقم: ۱۰۰۷)

سند پر کلام:

(۱) محمد بن بشار، یہ ابو بکر بندار بصری ثقہ ہیں (ت ۲۵۲ھ) آپ نے عبد الرحمن بن مہدی وغیرہ سے روایت کی ہے (۲) عبد الرحمن بن مہدی یہ ابو سعید غنبری ثقہ، مثبت، حافظ ہیں (۱۹۸ھ) آپ نے مالک بن انس وغیرہ سے روایت کی ہے (۳) مالک بن انس، یہ ابو عبد اللہ امام دارالہجرہ ثقہ ہیں (ت ۱۷۹ھ) آپ نے عبد اللہ بن ابی بکر وغیرہ سے روایت کی ہے (۴) عبد اللہ بن ابی بکر، یہ عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری ثقہ ہیں (ت ۱۳۵ھ) آپ نے عباد بن تمیم انصاری وغیرہ سے روایت کی ہے (۵) عباد بن تمیم، یہ انصاری مدنی ثقہ ہیں (ان کی وفات ایک صدی ہجری کے بعد ہوئی) آپ نے عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کی ہے (۶) صحابی رسول عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ.

حکم روایت: صحیح الاسناد، واللہ اعلم.

(۲۳۴) آپ نے عفان بن مسلم وغیرہ سے اور آپ سے ابو یعلیٰ موصلی وغیرہ نے روایت کی ہے، باقی راویوں پر کلام اس سے پہلے سے قبل والی روایت میں گزر چکا.

حکم روایت: منقطع الاسناد.

(۵) حدیث ابن زبیر رضی اللہ عنہ:

حدثنا محمد بن عمر، ثنا الولید بن کثیر، عن سعید بن أبی ہند، حدثنی قُفُذٌ، قال: رأیت الزبیر کثیرا یصلی بین القبر و المنبر فقلت له فی ذلک، فقال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول:

((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة)) قلت: وأعادہ فقال: ((ما بین بیتی و منبری)) (مسند الحارث ربغیة الباحث عن زوائد مسند الحارث، رقم: ۳۹۹)

سند پر کلام:

(۱) محمد بن عمر، یہ واقدی ابو عبد اللہ سلمی ہیں، آپ سعت علم کے باوجود بھی متروک ہیں (ت ۲۰۷ھ) آپ نے الولید بن کثیر وغیرہ سے، اور آپ سے حارث بن محمد بن ابی اسامہ تمیمی وغیرہ نے روایت کی ہے (۲) ولید بن کثیر، یہ ابو محمد مدنی صدوق ہیں (ت ۱۵۱ھ) آپ نے سعید بن ابی ہند وغیرہ سے روایت کی ہے (۳) سعید بن ابی ہند، یہ فزاری ثقہ ہیں (ت ۱۱۶ھ) آپ نے صحابی قنفذ رضی اللہ عنہ (صحیح یہ کہ آپ نے صحابی رسول مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ) وغیرہ سے روایت کی ہے (۴) قنفذ، یہ قنفذ بن عمیر تمیمی صحابی ہیں، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ قنفذ نہیں بلکہ ان کے بیٹے صحابی رسول مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ ہیں، آپ نے رسول اللہ ﷺ اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (اسد الغابۃ لابن الاثیر، رقم: ۴۳۲۳، ۵۱۳۸) (۵) صحابی رسول الزبیر بن العوام رضی اللہ عنہ، مگر صحیح یہ ہے کہ

حدثنا أبو معمر القطيعي، و محمد بن أبي عمر العدني، و يوسف بن موسى القطان، قالوا: حدثنا سفيان بن عيينة، عن عمار الدهني، عن أبي سلمة، عن أم سلمة رحمها الله، أن النبي ﷺ قال: ((ما بين قبرى و منبرى روضة من رياض الجنة، و إن قوائم منبرى هذا رواتب فى الجنة)) (الشريعة للأجري، رقم: ۱۸۳۵)

سند پر کلام:

(۱) ابو محمد عبد اللہ بن صالح بخاری، یہ عبد اللہ بن صالح بن عبد اللہ بن الضحاك ثقہ ہیں (ت ۳۰۵ھ) (تاریخ بغداد للخطیب بغدادی، رقم: ۵۰۶۳) آپ نے ابو معمر قطیعی، محمد بن ابی عمر عدنی وغیرہ سے روایت کی ہے (۲) ابو معمر قطیعی، یہ اسماعیل بن ابراہیم بن معمر، ابو معمر قطیعی ثقہ، مامون ہیں (ت ۲۳۶ھ) آپ نے سفيان بن عيينة وغیرہ سے روایت کی ہے (۳) محمد بن ابی عمر عدنی، یہ محمد بن یحییٰ بن ابی عمر عدنی صدوق ہیں (ت ۲۴۳ھ) آپ نے سفيان بن عيينة وغیرہ سے روایت کی ہے (۴) یوسف بن موسیٰ قطان، یہ یوسف بن راشد صدوق ہیں (۵) آپ نے سفيان بن عيينة وغیرہ سے روایت کی ہے۔ باقی راویوں پر کلام ماقبل والی روایت میں گزر چکا۔

حکم روایت: صحیح الاسناد، واللہ اعلم.

(۸) حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما:

امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(الف) حدثنا محمد بن علی بن داود، قال: حدثنا أحمد بن يحيى المسعودی، قال: حدثنا مالك، عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما، قال: قال رسول اللہ ﷺ:

(۷) حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا:

امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(الف) و حدثنا عبد الغنی بن ابی عقیل، قال: حدثنا سفيان

بن عيينة، عن عمار الدهني، عن ابی سلمة، عن أم سلمة رضی اللہ عنہا، قالت: قال رسول اللہ ﷺ:

((ما بين قبرى و منبرى روضة من رياض الجنة، و إن قوائم

منبرى على رواتب فى الجنة)) ترجمہ: ((میری قبر اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے، اور میرے منبر کے پائے جنت کے مضبوط پایوں پر ہے)) (شرح مشکل الآثار للطحاوی، رقم: ۲۸۷۲)

سند پر کلام:

(۱) عبد الغنی بن ابی عقیل، یہ عبد الغنی بن رفاعہ بن عبد الملک، ابو جعفر ابن

عقیل مصری ثقہ ہیں (ت ۲۵۵ھ) آپ نے سفيان بن عيينة وغیرہ سے، اور آپ سے ابو جعفر طحاوی وغیرہ نے روایت کی ہے (۲) سفيان بن عيينة، یہ ابو محمد کوفی ثقہ،

حافظ، حجت ہیں (ت ۱۹۸ھ) آپ نے عمار ذہبی وغیرہ سے روایت کی ہے (۳)

عمار ذہبی، یہ عمار بن معاویہ ذہبی ابو معاویہ کوفی صدوق ہیں (ت ۱۳۳ھ) آپ نے

ابو سلمہ وغیرہ سے روایت کی ہے (۴) ابو سلمہ، یہ عبد اللہ بن عبد الرحمن بن عوف مدنی

ثقہ ہیں (ت ۱۹۴ھ) آپ نے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے روایت

کی ہے (۵) ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا۔

حکم روایت: حسن الاسناد، واللہ اعلم.

امام ابو بکر محمد بن حسین آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ب) أخبرنا أبو محمد عبد الله بن صالح البخاری، قال:

رضی اللہ عنہما، قال: قال رسول اللہ ﷺ:

((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة)) (لم یرو
هذا الحدیث عن ابن خثیم إلا یحیی، تفرد به أبو
حصین) ترجمہ: امام طبرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (اس حدیث کو ابن خثیم سے
تجھی کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کیا، ابو حصین ان کو ذکر کرنے میں متفرد
ہیں) (المجم الأوسط للطبرانی، رقم: ۶۱۰)

سند پر کلام:

(۱) احمد، غالباً یہ احمد بن علی ابارثقہ ہیں جو شیوخ طبرانی میں سے
ہیں (ت ۲۹۰ھ) آپ نے ابو حصین وغیرہ سے روایت کی ہے (تاریخ الاسلام
للذہبی، رقم: ۵۷) (۲) ابو حصین رازی، یہ ابو حصین عبداللہ بن تجی بن سلیمان ثقہ ہیں
(آپ کی وفات دوسری صدی ہجری کے بعد ہوئی) آپ نے تجی بن سلیم طاشی
وغیرہ سے روایت کی ہے (۳) تجی بن سلیم، یہ طاشی صدوق سیء الحفظ ہیں
(۲۹۳ھ) آپ نے عبداللہ بن عثمان بن خثیم وغیرہ سے روایت کی ہے (۴) عبد
اللہ بن عثمان بن خثیم، یہ ابو عثمان کی صدوق ہیں (ت ۱۲۳ھ) آپ نے نافع مولی
بن عمر وغیرہ سے روایت کی ہے (۵) نافع، اس سے پہلی والی روایت میں ان کا
ترجمہ گزر چکا (۶) صحابی رسول ابن عمر رضی اللہ عنہما.

حکم روایت: ضعیف الاسناد، واللہ اعلم.

امام طبرانی سلیمان بن احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ج) حدثنا محمد بن أحمد بن أبي خيثمة، قال: قلت

لإدريس بن عيسى القطان، حدثكم محمد بن بشر العبدی، ثنا عبید
اللہ بن عمر، عن أبي بكر بن سالم، عن سالم، عن ابن عمر رضی

((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة))

قال أبو جعفر: (و هذا من حدیث مالک یقول أهل العلم
بالحدیث: إنه لم یحدث به عن مالک أحد غیر أحمد بن یحیی، و
غیر عبد اللہ بن نافع الصائغ) ترجمہ: ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
(اہل علم کہتے ہیں کہ اس روایت کو امام مالک رحمہ اللہ کی حدیث سے احمد بن تجی اور
عبد اللہ بن نافع صائغ کے سوا کسی نے روایت نہیں کی) (شرح مشکل الآثار
للطحاوی، رقم: ۲۸۷)

سند پر کلام:

(۱) محمد بن علی بن داؤد، یہ ابن اخت غزال سے مشہور ہیں، آپ ثقہ
ہیں (ت ۲۶۲ھ) آپ سے امام ابو جعفر طحاوی وغیرہ نے روایت کی ہے (تاریخ
ابن یونس المصری، رقم: ۵۸۰، و تاریخ دمشق لابن عساکر، رقم: ۶۷۹۴). (۲) احمد
بن تجی مسعودی، مجھے تجی بن مسعودی کا ترجمہ نہیں مل سکا (۳) مالک، یہ مالک بن
انس ابو عبداللہ امام دارالہجرہ ثقہ ہیں (ت ۱۷۹ھ) آپ نے نافع مولی ابن عمر وغیرہ
سے روایت کی ہے (۴) نافع، یہ نافع مولی عبداللہ بن عمر، ابو عبداللہ مدنی ثقہ، ثبت
ہیں (ت ۱۱۷ھ) آپ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کی ہے (۵)
صحابی رسول ابن عمر رضی اللہ عنہما.

حکم روایت: اس روایت کا حکم احمد بن تجی مسعودی کی ثقاہت و

ضعف پر موقوف ہے.

امام سلیمان بن احمد طبرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ب) حدثنا أحمد قال: نا أبو حصین الرازی، قال: نا یحیی

بن سلیم، عن عبد اللہ بن عثمان بن خثیم، عن نافع، عن ابن عمر

حکم روایت: حسن الاسناد، واللہ اعلم.

(۹) حدیث ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ:

ابوسعید ابن اعرابی احمد بن محمد صوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نا محمد، نا سعید بن سلام العطار، نا أبو بکر بن ابی سبرة،

عن زید بن أسلم، عن عطاء بن یسار، عن عبد الرحمن بن یربوع،

عن أبی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، قال: قال رسول اللہ ﷺ:

((ما بین قبری و منبری روضة من ریاض الجنة)) (مجموع ابن

الأعرابی، رقم: ۳۳۷)

سند پر کلام:

(۱) محمد، یہ محمد بن سلیمان بن الحارث باغندی ابو بکر واسطی ہیں، جو اباس

بہ ہیں (ت ۲۸۳ھ) آپ نے سعید بن سلام وغیرہ سے روایت کی ہے (تاریخ

بغداد للخطیب، رقم: ۸۲۲، المغنی فی الضعفاء للذہبی، رقم: ۵۵۸۴) (۲) سعید بن سلام

عطار، یہ سعید بن سلام بن ابی ہیفاء ابو الحسن بصری متہم بالکذب والوضع ہیں (ت ۲۱۴ھ)

(انہوں نے ابو بکر بن ابی سبرہ وغیرہ سے روایت کی ہے) (الکامل فی ضعفاء الرجال

لابن عدی، رقم: ۸۲۸، تاریخ بغداد للخطیب، رقم: ۴۶۱۴، تاریخ الاسلام للذہبی،

رقم: ۱۵۳) (۳) ابو بکر بن ابی سبرہ، یہ ابو بکر بن عبد اللہ بن محمد بن ابی سبرہ مدنی متہم

بالوضع ہیں (۱۶۲ھ) انہوں نے زید بن اسلم وغیرہ سے روایت کی ہے (۴) زید بن

اسلم، یہ عدوی مولیٰ بن عمر بن الخطاب ثقہ ہیں، آپ ارسال کرتے تھے (۱۳۶ھ)

آپ نے عطاء بن یسار وغیرہ سے روایت کی ہے (۵) عطاء بن یسار، یہ ابو محمد ہلالی،

مدنی ثقہ، فاضل ہیں (ت ۹۴ھ) آپ نے ابی بن کعب وغیرہ سے روایت کی

ہے (۶) عبد الرحمن بن یربوع، یہ عبد الرحمن بن سعید بن یربوع مخزومی ابو محمد ثقہ ہیں

اللہ عنہما، عن النبی ﷺ قال:

((ما بین قبری، و منبری روضة من ریاض الجنة، و منبری

علی حوضی))

(فأخرج أصله و قال: قد کتبتہ عن محمد بن بشر)

ترجمہ: (یعنی سند میں مذکور ادیس بن عیسیٰ نے اپنی اصل کتاب نکالی اور کہا: میں

نے اس حدیث کو محمد بن بشر سے لکھا ہے) (المجموع الکبیر للطبرانی، رقم: ۱۳۱۵۶)

سند پر کلام:

(۱) محمد بن احمد بن ابی خیشمہ، یہ ابو عبد اللہ نسائی ثقہ ہیں (۲۹۷ھ) آپ

نے نصر بن علی جہضمی وغیرہ سے، اور آپ سے طبرانی وغیرہ نے روایت کی ہے

(تاریخ الاسلام للذہبی، رقم: ۳۶۹) (۲) ادیس بن عیسیٰ قطان، یہ ابو محمد مخرمی

اباس بہ ہیں (ت ۲۵۶ھ) آپ نے زید بن حباب وغیرہ سے، اور آپ سے یحییٰ

بن محمد بن صاعد وغیرہ نے روایت کی ہے (تاریخ بغداد للخطیب، رقم: ۳۴۳۱) (۳)

محمد بن بشر عدوی، یہ ابو عبد اللہ کوفی ثقہ، حافظ ہیں (ت ۲۰۳ھ) آپ نے عبید اللہ

بن عمر عمری وغیرہ سے روایت کی ہے (۴) عبید اللہ بن عمر، یہ عبید اللہ بن عمر بن حفص

بن عاصم بن عمر بن خطاب، ابو عثمان ثقہ، ثبت ہیں (ت ۱۴۳ھ) آپ نے ابو بکر بن

سالم وغیرہ سے روایت کی ہے (۵) ابو بکر بن سالم، یہ ابو بکر بن سالم بن عبد اللہ بن

عمر ثقہ ہیں (آپ کی وفات ایک صدی ہجری کے بعد ہوئی) آپ نے اپنے والد

سالم بن عبد اللہ بن عمر سے روایت کی ہے (۶) سالم، یہ سالم بن عبد اللہ بن عمر بن

خطاب، ابو عمر مدنی، فقہائے سبعہ میں سے ہیں، آپ ثبت ہیں (۱۰۶ھ) آپ نے

اپنے والد عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کی ہے (۷) صحابی رسول

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما.

ہے (رقم: ۷۱۳۵) (۵) فاطمہ بنت سعد بن ابی وقاص، مجھے ان کا ذکر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی اولاد میں نہیں ملا، بلکہ ان کی اولاد میں عائشہ کا ذکر ہے (۶) صحابی رسول سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ.

حکم روایت: ضعیف الاسناد، واللہ اعلم.

(۱۲) **حدیث عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ:**

ابوسعید ابن اعرابی احمد بن محمد صوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نا أبو رفاعة، نا محمد بن سليمان التيمي القرشي، نا مالك

بن أنس، عن ربيعة بن أبي عبد الرحمن، عن سعيد بن المسيب، عن

ابن عمر رضی اللہ عنہما، عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، قال:

قال رسول الله ﷺ:

((ما بين قبري و منبري روضة من رياض الجنة)) (مجمع ابن

الأعرابي، رقم: ۱۹۲۱)

سند پر کلام:

(۱) ابورفاعہ، یہ عبد اللہ بن محمد بن عمر بن حبیب عدوی بصری ثقہ ہیں

(ت ۲۷۱ھ) آپ نے ابراہیم بن بشار رمادی وغیرہ سے روایت کی ہے (تاریخ

بغداد للخطیب، رقم: ۵۱۵۰) (۲) محمد بن سلیمان تیمی قرشی، یہ محمد بن سلیمان بن معاذ

ہیں، ابن حبان نے انہیں الثقات میں ذکر کیا، اور فرمایا: کبھی کبھی غلطی کرتے، اور

غریب حدیث روایت کرتے ہیں، آپ امام مالک وغیرہ سے، اور آپ سے اہل

بصرہ نے روایت کی ہے (الثقات لابن حبان، رقم: ۱۵۲۶۱) اور بعض لوگوں نے ان

کی تضعیف بھی کی ہے (التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة للسخاوي، رقم:

۳۷۹۵) (۳) مالک بن انس، ان کا بھی ترجمہ گزر چکا، آپ نے ربیعہ بن ابی عبد

(ت ۱۰۹ھ) آپ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وغیرہ سے روایت کی ہے (۷) صحابی رسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ.

حکم روایت: شدید ضعیف الاسناد، قابل اعتبار نہیں.

(۱۰) **حدیث سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ:**

ابوسعید ابن اعرابی احمد بن محمد صوفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نا محمد بن سليمان الباغندي، نا صالح بن الحسين

السواق، قال: حدثني أبي، عن جناح النجار، قال: بعثت إلى فاطمة

بنت سعد بن أبي وقاص أصلح لها شيئاً في منزلها فأتيتهما، فقالت:

أين تسكن؟ قلت: معك في الزقاق، قالت: الزم عليك منزلك

فإني سمعت أبي سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ، يقول: سمعت

رسول الله ﷺ يقول:

((ما بين قبري ومصلاي روضة من رياض الجنة)) (مجمع ابن

الأعرابي، رقم: ۳۳۹)

سند پر کلام:

(۱) محمد بن سلیمان باغندی، یہ ابوبکر واسطی ہیں، ان کا ترجمہ ابھی ابھی گزرا

(۲) صالح بن حسین سواق، یہ اپنے والد حسین سے روایت کرتے ہیں، مجہول

ہیں (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم، رقم: ۲۸۴۰) (۳) ابی، یہ صالح کے والد حسین

ابن صالح جناح نجار سے روایت کرتے ہیں، مجہول ہیں (الجرح والتعديل لابن ابی

حاتم، رقم: ۲۸۴۰) (۴) جناح نجار، یہ مولیٰ لیلی بنت سہیل قرشہ ہیں، آپ نے عائشہ

بنت سعد سے روایت کی ہے، ابو حاتم نے آپ کو مجہول قرار دیا (الجرح والتعديل

لابن ابی حاتم، رقم: ۲۲۳۴) اور ابن حبان نے ان کو اپنی کتاب الثقات میں ذکر کیا

ہیں:

(امام طبری رحمہ اللہ نے فرمایا: حضور نبی کریم ﷺ کا قول: ((ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ)) دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے، پہلا معنی: آپ ﷺ کا وہ گھر جس میں آپ ﷺ رہتے ہیں، اور یہ معنی اظہر ہے..... دوسرا معنی: - اس معنی کے قائل زید بن اسلم ہیں۔ وہ یہ کہ حدیث میں مذکور گھر سے مراد حضور نبی کریم ﷺ کی قبر انور ہے، اس معنی کی تائید ((ما بین قبری و منبری)) والی روایت کرتی ہے)

پھر آگے فرماتے ہیں: (چونکہ حضور نبی کریم ﷺ کی قبر انور آپ ﷺ کے گھروں میں سے ایک گھر ہی میں ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ تمام روایات کے الفاظ اگرچہ مختلف ہیں مگر سب صحیح ہیں، کیونکہ سب کے معنی متفق ہیں، اس لیے کہ جس گھر میں حضور نبی کریم ﷺ کی قبر انور ہے، وہ آپ ﷺ کے حجروں میں سے ایک حجرہ، آپ ﷺ کے گھروں میں سے ایک گھر ہے، اور یہی حجرہ اور گھر حضور ﷺ کی قبر انور ہے) (شرح صحیح البخاری لابن البطل، کتاب صلاۃ العیدین والتجمل فیہما، ۲، باب فضل ما بین القبر والمنبر، رقم: ۱۵۱)

خاتم الحفظ امام سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: امام طبری رحمہ اللہ نے حدیث میں مذکور لفظ ((بیتی)) کی مراد تعیین کرنے میں دو قول ذکر کیے ہیں، پہلا قول: اس سے مراد حضور نبی کریم ﷺ کی قبر انور ہے، اور اس کی تائید ((ما بین قبری)) والی روایت کرتی ہے، دوسرا قول: ظاہری اعتبار سے اس سے مراد حضور ﷺ کا وہ گھر ہے جس میں آپ رہتے تھے، اور دونوں کے معنی تقریباً یکساں ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کی قبر انور آپ ﷺ کے گھر ہی میں ہے) (تنویر الحوالک شرح موطأ مالک للسیوطی، رقم:

الرحمن وغیرہ سے روایت کی ہے (۴) ربیعہ بن ابی عبد الرحمن، یہ ابو عثمان مدنی ثقہ، فقیہ ہیں (ت ۱۳۶ھ) آپ نے سعید بن مسیب وغیرہ سے روایت کی ہے (۵) سعید بن مسیب، یہ سعید بن مسیب بن حزن بن ابی وہب قرشی، مخزومی ثبت، فقیہ ہیں (آپ کی وفات ۹۰ھ کے بعد ہوئی) آپ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے روایت کی ہے (۶) صحابی رسول ابن عمر رضی اللہ عنہما (۷) صحابی رسول عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ.

حکم روایت: حسن الاسناد، واللہ اعلم.

اس تفصیلی بیان سے واضح ہو گیا کہ جن اسانید کے ذریعہ حدیث کے یہ الفاظ: ((ما بین قبری و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ)) مروی ہیں، ان میں سے بعض صحیح الاسناد، بعض حسن الاسناد، بعض ضعیف الاسناد اور بعض شدید ضعیف الاسناد ہیں، چونکہ صحیح الاسناد اور حسن الاسناد روایتیں موجود ہیں، اس لیے ان الفاظ کے ساتھ مذکورہ احادیث کو یک لخت رد نہیں کیا جاسکتا تھا۔

حدیث: ((ما بین قبری)) و حدیث: ((ما بین

بیتی)) کے درمیان تطبیق

اسی وجہ سے محدثین کرام وفقہائے عظام نے حدیث: ((ما بین قبری و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ)) اور حدیث: ((ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ)) کے درمیان متعدد طریقے سے توفیق و تطبیق دی ہے، میں یہاں پر اختصار کے ساتھ ان کے تطبیقی اقوال کو ذکر کرتا ہوں، پھر ان شاء اللہ کوسنی تطبیق راجح ہے اسے بیان کروں گا، قارئین ملاحظہ فرمائیں:

پہلی توجیہ:

امام ابن بطل رحمہ اللہ اس حدیث کے مختلف الفاظ ذکر کرنے بعد لکھتے

تم: ۱۸۸۸

ان محدثین عظام نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ یہ حدیث: ((ما بین قبری ومنبری)) بعینہ حضور ﷺ کا فرمان ہے یا پھر معنی روایت کی گئی ہے، مگر ان کے مذکورہ بالا اقوال سے اتنا ضرور واضح ہو گیا کہ حدیث: ((ما بین قبری و منبری)) خواہ بعینہ حضور ﷺ کے الفاظ ہوں یا معنی مروی ہوں دونوں صورتوں میں ان کے نزدیک مقبول ہے، نیز یہ بھی واضح ہو گیا کہ ان کے نزدیک حدیث: ((ما بین قبری)) اور حدیث: ((ما بین بیتی)) کے درمیان کوئی تعارض و منافات نہیں۔

دوسری توجیہ:

امام ابو جعفر طحاوی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((دونوں الفاظ یعنی: ((ما بین قبری و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ)) اور ((ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ)) کی تصحیح اس بات کو واجب کرتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا مقدس گھر ہی قبر ہو، اور اس اعتبار سے بلا شک و شبہ یہ نبوت کی عظیم علامتوں میں سے ایک علامت ہوگی، کیونکہ نبی کریم ﷺ کے سوا ہر ایک پر اللہ تعالیٰ نے یہ مخفی رکھا کہ وہ کس جگہ وفات پائے گا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ﴾ (سورہ لقمان: ۳۱/ آیت: ۳۴) ترجمہ: ((اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی)) (کنز الایمان) مگر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو آپ ﷺ کے وفات پانے کی جگہ بتادی، اور اس جگہ کو بھی بتادیا جس میں آپ ﷺ کی قبر ہوگی، جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو اس کا علم آپ ﷺ کی حیات ہی میں ہو گیا تھا، یہاں تک کہ آپ نے اپنی امت میں سے جن کو چاہا اس بات کی خبر دی، یہ وہ مقام و مرتبہ ہے جس کے اوپر کوئی مقام و مرتبہ نہیں، زادہ اللہ تعالیٰ شرفاً و خیراً) (شرح مشکل الآثار للطحاوی، رقم: ۲۸۸۴)

(۴۶۳)

علامہ علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ما بین بیتی و منبری)) اس سے مراد حضور نبی کریم ﷺ کا مقدس گھر ہے جس میں آپ رہتے تھے، اور بعض لوگوں نے کہا کہ حدیث میں مذکور مقدس گھر سے مراد قبر ہے، اس کی توثیق حدیث کے اس الفاظ: ((ما بین قبری و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ)) سے ہوتی ہے، اور ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں، کیونکہ آپ ﷺ کی قبر انور آپ ﷺ کے مقدس گھر ہی میں ہے) (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المفاتیح لعلی القاری، رقم: ۶۹۴)

علامہ زرقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ما بین بیتی و منبری)) حضور ﷺ کے قول ((بیتی)) سے مراد ((قبری)) ہے، کیونکہ آپ ﷺ سے ((ما بین قبری)) بھی مروی ہے، اور بعض لوگوں نے کہا: وہ مقدس گھر مراد ہے جس میں حضور نبی کریم ﷺ رہتے تھے، اور دونوں معنی ایک دوسرے کے قریب ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کی قبر آپ ﷺ کے گھر ہی میں ہے) (شرح الزرقانی علی الموطا، رقم: ۴۶۲-۴۶۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(مسند بزار میں سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کے رجال ثقات ہیں، اور معجم الطبرانی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں لفظ قبر کا ذکر ہے، اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے قول ((بیتی)) سے مراد آپ ﷺ کا کوئی ایک مقدس گھر ہے، اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر ہے، جو بعد میں آپ ﷺ کی قبر انور ہو گئی) (فتح الباری لابن حجر، باب، کتاب فضائل المدینہ،

((ما بین قبری)) والی روایت کو غلط

قرار دینے والے ابن تیمیہ کا رد

(۱) اسانید صحیحہ وحسنہ کے ساتھ یہ الفاظ: ((ما بین قبری)) مروی ہیں،

اس لیے ان روایات کو غلط قرار نہیں دیا جاسکتا، اور نہ ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب معنی مروی ہیں، بلکہ ایسی صورت میں تطبیق و توفیق دی جائے گی، جیسا کہ آپ حضرات نے توفیق و تطبیق کی چند مثالیں علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(حضور نبی کریم ﷺ کا قول: ((ما بین بیتی و منبری)) اکثر روایتیں انہیں

الفاظ کے ساتھ وارد ہیں، اور صرف ابن عساکر رحمہ اللہ کی روایت میں ہے: ((ما بین قبری و منبری)) اور بعض لوگوں نے کہا کہ یہ روایت غلط ہے، اور احتجاج کے طور پر یہ کہا: کیونکہ امام بخاری کے شیخ مسدد کی مسند میں لفظ ((بیتی)) کے ساتھ مروی ہے، اور اسی طرح لفظ ((بیتی)) کے ساتھ ”باب فضل ما بین القبر و المنبر“ میں بھی مذکور ہے، میں کہتا ہوں: اس روایت کا غلط کی طرف نسبت کرنا غلط ہے، کیونکہ لفظ ((قبری و منبری)) ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں بھی واقع ہے، جس کی تخریج امام طبرانی رحمہ اللہ نے ایسی سند سے کی ہے جس کے رجال ثقافت ہیں، اور اسی طرح سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سند صحیح کے ساتھ واقع ہے، اس کی تخریج امام بزار رحمہ اللہ نے کی ہے) (عمدة القاری شرح صحیح البخاری للعینی، ۹۲- کتاب فضائل المدینة، ۲۱- باب، رقم: ۸۸۸۱)

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا قول میں: (اور بعض لوگوں نے

کہا) سے مراد حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہیں، جنہوں نے ایک خاص طریق سے مروی

امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(حضور نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((ما بین قبری

و منبری روضة من ریاض الجنة)) امام احمد رحمہ اللہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث، اور امام نسائی رحمہ اللہ نے ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے تخریج کی ہے، یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی حیات ہی میں اپنی وفات اور دفن کی جگہ کا علم ہو گیا تھا) (فتح الباری لابن رجب، رقم: ۱۰۳۹)

ان دونوں محدثین کرام کی توجیہات سے واضح ہو گیا کہ آپ ﷺ کو اپنی وفات اور مقام تدفین کا علم عطا کر دیا گیا تھا، اس لیے ان دونوں حدیثوں کے درمیان کوئی تعارض و تدافع نہیں۔

فضل دبی: یہ وہ دوسرا جواب ہے جو مارہرہ شریف میں علمائے کرام

سے گفتگو کے درمیان میرے ذہن میں آیا تھا مگر میں اس جواب کو ان بزرگ شخصیات کے درمیان پیش نہیں کر سکا تھا۔

تیسری توجیہ:

ابن تیمیہ نے لکھا:

(وہ حدیث جس میں ((فی بیتی)) کا ذکر ہے وہی ثابت و صحیح ہے، لیکن

بعض لوگوں نے اس حدیث کو معنی روایت کیا اور کہ دیا: ((قبری)) اور حال یہ ہے کہ حضور ﷺ اس وقت بقید حیات تھے، اسی وجہ سے آپ کے مقام تدفین کے بارے میں جب صحابہ کرام کے درمیان تنازع ہوا تو کسی بھی صحابی نے اس حدیث سے احتجاج نہیں کیا، اگر ان الفاظ کے ساتھ ان کے پاس حدیث ہوتی تو یہ قاطع نزاع ہوتی، بلکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ جس میں آپ کی وفات ہوئی اسی میں تدفین ہوئی، میرے ماں باپ آپ پر قربان صلوات اللہ وسلامہ علیہ) (حاشیہ مسند أحمد بحوالہ الفائدۃ الجلیلۃ لابن تیمیہ، رقم: ۱۱۶۱۰)

لفظ: ((قبری)) کو خطا قرار دیا تھا، اس کو بھی علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے تسلیم نہیں کیا، اور اس روایت کو خطا کی طرف نسبت کرنے کو خود خطا قرار دیا۔

خلاصہ کلام:

(۱) ((ما بین قبری و منبری)) الفاظ کے ساتھ مروی بعض روایتیں صحیح الاسناد اور حسن الاسناد ہیں (۲) حدیث: ((ما بین قبری و منبری)) اور حدیث: ((ما بین قبری و منبری)) کو معنی روایت کرنے پر ہی کیوں نہ محمول کیا جائے، کیونکہ جو گھر ہے وہی قبر ہے اور جو قبر ہے وہی گھر ہے (۳) صحیح اور حسن اسناد کے پیش نظر راجح یہی ہے کہ حضور ﷺ کو اپنی وفات اور وفات کی جگہ کا علم عطا کر دیا گیا تھا (۴) ابن تیمیہ کا قول قابل التفات نہیں (۵) صحیح یہی ہے کہ اس حدیث: ((ما بین قبری و منبری)) کے الفاظ حضور نبی کریم ﷺ کے ہیں۔

فائدہ: حدیث کا حکم بیان کرنے کے لیے عام طور سے تین طریقے رائج ہیں، ایک یہ کہ حدیث پر موجود علمائے کرام کے اقوال کی روشنی میں ان کا حکم بیان کر دیا جائے، دوسرا یہ کہ خود باحث اپنی جہد و محنت سے حدیث کے ہر روای پر بحث کر کے حدیث کا حکم بیان کرے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ ائمہ کرام نے اس حدیث پر صحت و ضعف کے اعتبار سے حکم نہ لگایا ہو، اور یہ طریقہ سب سے زیادہ سخت ہے، تیسرا یہ کہ ائمہ کرام کے اقوال کو پیش نظر رکھتے ہوئے حدیث کے تمام راویوں پر علاحدہ علاحدہ کلام کیا جائے۔ جو پہلے طریقہ کے نسبت سخت اور دوسرے طریقہ کے نسبت سہل ہے۔ پھر اس کے بعد اس حدیث کا حکم بیان کیا جائے، میں نے تقریباً اپنے اس مقالہ میں دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے تاکہ تجربہ کر سکوں کہ میری بحث

(۳) جب ایک خاص طریق سے اس روایت ((قبری)) کو خطا قرار دینا خطا ہے تو ابن تیمیہ کا اس لفظ کے ساتھ تمام روایات کو بالکل تسلیم نہ کرنا بدرجہ اولیٰ خطا ہوگی۔

(۴) اگر تسلیم کر لیا جائے کہ ان احادیث کو معنی روایات کیا گیا ہے تو بھی کوئی حرج نہیں، کیونکہ حدیث بالمعنی روایت کرنا اس وقت غیر مقبول ہوتی ہے جب معنی میں خلل پیدا ہو، اور یہاں معنی میں کوئی خلل نہیں، کیونکہ جو گھر ہے، وہی قبر ہے، اور جو قبر ہے، وہی گھر ہے۔

فصل دہم: اس کا کچھ حصہ میرا پہلا جواب تھا جسے میں نے معزز علمائے کرام کے درمیان پیش کرنے کی جسارت کی تھی۔

(۵) اور ابن تیمیہ کا یہ کہنا: (اسی وجہ سے آپ کے مقام تدفین کے بارے میں جب صحابہ کرام کے درمیان تنازع ہوا تو کسی بھی صحابی نے اس حدیث سے احتجاج نہیں کیا، اگر ان الفاظ کے ساتھ ان کے پاس حدیث ہوتی تو یہ قاطع نزاع ہوتی) بجا نہیں، کیونکہ حضور ﷺ نے ((ما بین قبری)) کے بارے میں خبر دینے کے بعد اس کی تعیین اپنے اس فرمان عالی شان سے فرمادی تھی، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ((ما قبض نبی إلا دفن حیث یقبض)) ترجمہ: ((ہر نبی کی اسی جگہ تدفین ہوتی ہے جہاں اس کی روح قبض کی جاتی ہے)) (سنن ابن ماجہ، رقم: ۱۶۲۸)

چنانچہ اس حدیث میں مقام تدفین کی تعیین کی وجہ سے صحابہ کرام کے درمیان جو اختلاف رونما ہوا ختم ہو گیا تھا، اور اسی حدیث کی وجہ سے صحابہ کرام

فہرست مصادر

- (۱) اسد الغابۃ لابن الاثیر (ت ۶۳۰ھ) الناشر: دار الفکر، بیروت، عام النشر:
۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹م
- (۲) تاریخ ابن یونس المصری (ت ۳۴۷ھ) الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت،
الطبعة: الأولى، ۱۴۲۱ھ، عدد الأجزاء: ۲
- (۳) تاریخ الاسلام للذہبی (ت ۷۴۸ھ) تحقیق: عمر عبدالسلام الدمیری، الناشر:
دار الکتب العربی، بیروت، الطبعة: الثانية، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳م، عدد الأجزاء:
۵۲
- (۴) تاریخ بغداد للخطیب (ت ۴۶۳ھ) تحقیق: ڈاکٹر بشار عواد معروف، الناشر: دار
الغرب الإسلامی، بیروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۲م، عدد الأجزاء:
۱۶
- (۵) تاریخ دمشق لابن عساکر (ت ۵۷۱ھ) تحقیق: عمرو بن غرامۃ العمری، الناشر: دار
الفکر، عام النشر: ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵م، عدد الأجزاء: ۸۰
- (۶) التحفة اللطیفة فی تاریخ المدینۃ الشریفۃ للسخاوی (ت ۹۰۲ھ) الناشر: دار
الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۳م، عدد
الأجزاء: ۲
- (۷) تقریب التہذیب لابن حجر العسقلانی (ت ۸۵۲ھ) تحقیق: محمد عوامہ، الناشر:
دار الرشید، سوريا، الطبعة: الأولى، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶م، عدد الأجزاء: ۱.
- (۸) تہذیب الکمال فی اسماء الرجال للمزی (ت ۷۴۲ھ) تحقیق: بشار عواد معروف،

ائمہ کرام کے اقوال سے کس حد تک موافق ہے، نیز تاکہ دور حاضر میں حدیث اور
علوم حدیث سے دلچسپی رکھنے والے اس دوسرے طریقہ کار سے بھی واقف
ہو جائیں، اور اپنے اندر ملکہ پیدا کرنے کے لیے اس طرح حدیث پر کلام کرنے کی
کوشش کریں، میں نے حدیث پر حکم لگانے کے طرق سے متعلق مختلف کتابیں پڑھی
ہیں، اگر اللہ نے توفیق دی تو ان شاء اللہ ان پر مستقل مقالہ لکھوں گا، و ما توفیقی
إلا باللہ علیہ توکلت و إلیہ أنیب، و الحمد لله الذی بنعمته تتم
الصالحات، و الصلاة و السلام علی سید المرسلین و علی آلہ و
أصحابہ أجمعین.

- عباس، الناشر: دار الحائني، الرياض، الطبعة: الثانية، ١٣٢٢هـ/٢٠٠١م، عدد الأجزاء: ٣
- (١٩) عمدة القاري شرح صحيح البخاري للعينى (ت ٨٥٥هـ) الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت، عدد الأجزاء: ٢٥
- (٢٠) فتح الباري لابن حجر (ت ٨٥٢هـ) الناشر: دار المعرفة، بيروت، ١٣٧٩هـ، ترقيم و تبويب: محمد فؤاد عبد الباقي، تعليق: عبدالعزيز بن عبد الله بن باز، عدد الأجزاء: ١٣
- (٢١) فتح الباري لابن رجب (ت ٧٩٥هـ) تحقيق: محمود شعبان وغيره، الناشر: مكتبة الغرباء الأثرية، المدينة المنورة، الطبعة: الأولى، ١٣١٤هـ/١٩٩٦م
- (٢٢) الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي (ت ٣٦٥هـ) تحقيق: عادل أحمد وغيره، الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى، ١٣١٨هـ/١٩٩٤م
- (٢٣) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المفاتيح لعلي القاري (ت ١٠١٢هـ) الناشر: دار الفكر، بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى، ١٣٢٢هـ/٢٠٠٢م
- (٢٤) مسند أبي يعلى الموصلي (ت ٣٠٤هـ) تحقيق: حسين سليم أسد، الناشر: دار المأمون للتراث، دمشق، الطبعة الأولى: ١٣٠٢هـ/١٩٨٢م، عدد الأجزاء: ١٣
- (٢٥) مسند أحمد بن حنبل (ت ٢٤١هـ) تحقيق: شعيب الأرنؤوط وغيره، الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى: ١٣٢١هـ/٢٠٠١م
- (٢٦) مسند البزار المحرر الزخار (م ٢١٠هـ ت ٢٩٢هـ) تحقيق: محفوظ الرحمن زين الله وغيره، الناشر: مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة، الطبعة الأولى: من ١٩٨٨م إلى ٢٠٠٩م، عدد الأجزاء: ١٨

- الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة: الأولى، ١٣٠٠هـ/١٩٨٠م، عدد الأجزاء: ٣٥
- (٩) تنوير الحوالك شرح موطأ مالك للسيوطي (٩١١هـ) الناشر: المكتبة التجارية الكبرى، مصر، عام النشر: ١٣٨٩/١٩٦٩هـ
- (١٠) الثقات لابن حبان (ت ٣٥٢هـ) الناشر: دائرة المعارف العثمانية بحيدرآباد الدكن الهند، الطبعة: الأولى، ١٣٩٣هـ/١٩٤٣م
- (١١) الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (ت ٣٢٤هـ) الناشر: دائرة المعارف العثمانية بحيدرآباد الدكن الهند، الطبعة: الأولى، ١٣٤١هـ/١٩٥٢م
- (١٢) رفع المنارة لمحمود سعيد، المكتبة الأزهرية للتراث، القاهرة، مصر
- (١٣) السنة لابن أبي عاصم (ت ٢٨٤هـ) تحقيق: محمد ناصر الدين الألباني، الناشر: المكتبة الإسلامية - بيروت، الطبعة الأولى: ١٣٠٠هـ، عدد الأجزاء: ٢
- (١٤) شرح الزرقاني على الموطأ (ت ١١٢٢هـ) تحقيق: طه عبد الرؤوف سعد، الناشر: مكتبة الثقافة الدينية، القاهرة، الطبعة: الأولى، ١٣٢٢هـ - ٢٠٠٣م
- (١٥) شرح مشكل الآثار للطحاوي (ت ٣٢١هـ) تحقيق: شعيب الأرنؤوط، الناشر: مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى: ١٣١٥هـ/١٣٩٢م، عدد الأجزاء: ١٦
- (١٦) الشريعة للمآجري (ت ٣٦٠هـ) تحقيق: دكتور عبد الله بن عمر الدبيجي، الناشر: دار الوطن، الرياض، السعودية، الطبعة الثانية: ١٣٢٠هـ/١٩٩٩م
- (١٧) شرح صحيح البخاري لابن البطال (ت ٢٣٩هـ) تحقيق: ابوتيم ياسر بن ابراهيم، دار النشر: مكتبة الرشد، السعودية، الرياض، الطبعة: الثانية، ١٣٢٣هـ/٢٠٠٣م
- (١٨) العلل ومعرفة الرجال لآحمد بن حنبل (ت ٢٤١هـ) تحقيق: وصي الله بن محمد

مضمون

بابا رتن ہندی بحیثیت صحابی رسول

آخری قسط کا

منصفانہ جائزہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ایک مہینہ قبل ایک ساتھی کی زبانی یہ سننے کو ملا کہ ہندوستان کے کسی ماہنامہ میں بابا رتن ہندی کو جس کی وفات ۶۳۲ھ میں ہوئی صحابی ثابت کیا گیا ہے سن کر بڑا تعجب ہوا، کیونکہ ہم حدیث اور علوم حدیث کی کتابوں میں یہی پڑھتے آئے ہیں کہ آخری صحابی رسول ﷺ ابو طفیل عامر بن وائلہ لیشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی، اس جدید تحقیق نے میرے دل میں یہ اشتیاق پیدا کیا کہ ضرور اس مضمون کا مطالعہ کیا جائے، پھر کچھ دنوں بعد مولانا شاہد رامپوری ازہری کے ذریعہ ماہنامہ ”کنز الایمان“ دستیاب ہوا ساتھ ہی اس بات سے باخبر کیا کہ اسی ماہنامہ میں مضمون ”بابا رتن ہندی بحیثیت صحابی رسول“ شائع ہوا ہے، تو میں نے اولاً اسی مضمون کا مطالعہ شروع کیا اور جب میں اختتام کو پہنچا تو یہ احساس ہوا کہ یہ مضمون یقینی طور پر کافی محنت اور ورق گردانی کے بعد منظر عام پر آیا ہے جس کی عکاسی حوالا جات کر رہے ہیں، مگر میرا دل اس جدید تحقیق پر مطمئن نہ ہو سکا اور ہو بھی کیسے سکتا تھا اس لئے کہ اکابر علمائے حدیث کی آراء و تحریریں اس مضمون کے برخلاف تھیں، تو میں نے ضروری سمجھا کہ ان حضرات کی آراء کو دلائل سے مزین کر کے حقیقت کو قارئین پر آشکارا کروں۔

اس میں دورانے نہیں کہ مضمون ”بابا رتن ہندی بحیثیت صحابی رسول“ کسی کے

- (۲۷) مسند الحارث/ بغیۃ الباحث عن زوائد مسند الحارث (ت ۲۸۲ھ) تحقیق حسن أحمد صالح الباکری، الناشر: مرکز خدمۃ السنۃ والسیرة النبویة، المدینة المنورة، الطبعة الأولى: ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲م، عدد الأجزاء: ۲
- (۲۸) مسند الرویانی (ت ۳۰۷ھ) تحقیق: ایمن علی ابویمانی، الناشر: مؤسستہ قرطبہ، القاہرہ، الطبعة: الأولى: ۱۴۱۶ھ
- (۲۹) مصنف ابن ابی شیبہ، (ت ۲۳۵ھ) تحقیق: کمال یوسف الحوت، الناشر: مکتبۃ الرشاد- الریاض، الطبعة الأولى: ۱۴۰۹ھ، عدد الأجزاء: ۷
- (۳۰) معجم ابن الأعرابی (ت ۳۴۰ھ) تحقیق و تخریج: عبدالحسن بن ابراهیم، الناشر: دار ابن الجوزی، المملكة العربية السعودية، الطبعة الأولى: ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷م
- (۳۱) المعجم الأوسط للطبرانی (ت ۳۶۰ھ) تحقیق: طارق بن عوض وغیرہ، الناشر: دار الحرمین، القاہرہ
- (۳۲) المعجم الکبیر للطبرانی، تحقیق: حمدی بن عبد المجید، دار النشر: مکتبۃ ابن تیمیہ، القاہرہ، الطبعة: الثانية، عدد الأجزاء: ۲۵
- (۳۳) المغنی فی الضعفاء للذہبی (ت ۷۴۸ھ) تحقیق: نور الدین عتر۔
- (۳۴) المؤلف و المختلف للدارقطنی (ت ۳۸۵ھ) تحقیق: موفق بن عبد اللہ، الناشر: دار الغرب الإسلامی، بیروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶م، عدد الأجزاء: ۵

مقالہ نگار کی دلائل کا علمی جائزہ:

صاحب مقالہ بعض علما جنہوں نے بابارتن ہندی کے صحابی ہونے کا انکار کیا ہے ان کے حوالہ جات نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: 'لیکن ان میں سے کسی کا قول مضبوط نہیں کہ لگ بھگ سب کی بنیاد امام ذہبی کے قول پر ہے اور سب کی بات میں تنزل ہے۔ صاحب مقالہ نے میری سمجھ سے بابارتن ہندی کو صحابی ثابت کرنے کے لئے اپنے مقالے میں پانچ دلیلیں پیش کی ہیں شاید انہیں دلیلوں پر توکل کر کے مذکورہ بالا قول کرنے کی جرات کی ہے۔ (الف) بابارتن ہندی کی صحابیت کا انکار کرنے والے امام ذہبی رحمہ اللہ ہیں اور باقی علماء اس معاملے میں ان کے تبع ہیں اور امام ابن سبکی نے ان پر بہت لعن و طعن کر کے تشنیع و تحقیر میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، یہاں تک فرمایا: لا یعتمد علیہ، ولا ینبغی أن یوخذ من قولہ، کیونکہ وہ اہل سنت کے متعلق کلام کرنے میں بہت افراط و تفریط سے کام لیتے تھے لہذا جب اتنے بڑے عالم نے کہہ دیا تو اب ان کے قول کا اعتبار نہیں، لہذا ان کی اتباع کرنے والے دیگر علما کا بھی اعتبار نہیں (ب) اولیا و ابدال بابارتن ہندی کے صحابیت کی تصدیق کر چکے ہیں لہذا اتنا ایک امام ذہبی رحمہ اللہ کے قول کو ان کی تصحیح پر کیسے ترجیح دیا جاسکتا ہے؟ (ت) چند صحابیوں کی درازی عمر کے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: 'یہ تمام حضرات حجاز مقدس سے باہر تھے اس لئے اس حدیث سے ان پر کوئی اعتراض نہیں پڑے گا، اسی طرح بابارتن ہندی بھی عہد رسالت ہی میں ہندوستان چلے آئے تھے، اس لیے آپ بھی قید سے باہر سمجھے جائیں گے۔' (ث) 'پھر اگر درازی عمر ہی پر اعتراض ہو تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر تقریباً تین سو سال ہوئی تھی..... یہ تمام حضرات حجاز مقدس سے باہر تھے اس لئے اس حدیث شریف سے ان پر کوئی اعتراض نہیں پڑے گا، اسی طرح بابارتن ہندی بھی عہد

صحابی ہونے اور نہ ہونے کے ساتھ ساتھ اصول حدیث اور متن حدیث پر مشتمل ہے مگر مضمون میں متن پر زیادہ زور ہے اور تقریباً اصول حدیث سے بے اعتنائی برتی گئی ہے۔ متن حدیث صحیح ہے یا نہیں، اور جرح و تعدیل کب معتبر ہے کب نہیں، جرح کرنے والا اگر جرح کا معاصر ہو تو اس کا کیا اثر پڑے گا، خاص طور سے جب کہ آپس میں کوئی چپقلش یا حسد کی بو آتی ہو، یا یہ کہ جارح بعض مسائل میں اختلاف کی وجہ سے افراط و تفریط کا شکار ہو، ان کے علاوہ اور بہت ساری چیزیں ہیں جن کے حل کے لئے علماء حدیث اور ان کے اقوال کی طرف لازماً رجوع کرنا چاہئے جنہوں نے بہت ہی شرح و بسط کے ساتھ علم حدیث کے اصول و قواعد کو واضح کر دیا ہے، اور کبھی بھی کسی شخص کی جرح و قدح کے لئے فقط ایک عالم کے قول پر اکتفاء نہیں کرنا چاہئے ورنہ کبھی بھی علم حدیث خاص کر علم رجال میں حق واضح نہ ہو سکے گا۔ لہذا ضروری ہے کہ اس طرح کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ان کی بارگاہ عالی میں زانوئے ادب تہہ کیا جائے تاکہ صحیح ڈھنگ سے مرض کا تعین ہو اور اس کے مطابق دوا کا انتخاب کر کے بہتر طریقہ سے علاج کیا جاسکے۔ انہیں جہاں حدیث کے اقوال و قوانین کی روشنی میں 'بابارتن ہندی بحیثیت صحابی رسول' کی آخری قسط پر کچھ معروضات پیش خدمت ہیں۔

ہمارے معروضات دو حصوں پر مشتمل ہیں پہلا حصہ رد جس میں ہم مقالہ نگار کے دلائل کا جائزہ لیں گے، اور دوسرا حصہ اثبات، جس میں حدیث عمر الامۃ کا صحیح مفہوم اور بابارتن ہندی کے کذاب ہونے کو اقوال علمائے حدیث کی روشنی میں پائے ثبوت تک پہنچائیں گے، اور واضح کریں گے کہ محدثین کرام نے جو سمجھا ہے وہی صحیح ہے، نہ کہ وہ جو مقالہ نگار نے زبردستی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

مالک بن دینار رحمہما اللہ بھی ہیں (قاعدۃ فی الجرح والتعدیل لابن السبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث، ص ۲۱، ۲۲)

یایوں کہا جاسکتا ہے کہ ہم عصر کی جرح ایک دوسرے کے حق میں قابل قبول نہیں ہوگی، محدث کبیر ابو نعۃ حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسی کو علمائے متاخرین یوں فرماتے ہیں: 'لا یسمع کلام الاقران بعضهم فی بعض' (حاشیۃ قاعدۃ فی الجرح والتعدیل لابن السبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث ص ۲۱، ۲۲)

اور امام ابوالحسن لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'اگر کوئی عالم جرح عداوت یا تعصب یا نفرت کی وجہ سے کرے تو اس کی جرح غیر قابل قبول بلکہ مردود ہوگی، پھر مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں: 'ولهذا: لم یقبل قول الامام مالک فی "محمد بن اسحاق" صاحب المغازی: انه دجال من الدجاجلة لما علم انه صدر من منافرة باهرة' ترجمہ: اس لئے امام مالک رحمہ اللہ کا قول "محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کے بارے میں قبول نہیں کیا گیا کہ: وہ دجالوں میں سے ایک دجال ہے کیونکہ انہوں نے ان کے حق میں شدید نفرت کی وجہ سے ایسا کلام کیا ہے۔ (الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل للکھنوی، ص ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱)

پھر مزید کچھ مثالیں دینے کے بعد فرماتے ہیں: 'ومن ثم قالوا: لا یقبل جرح المعاصر علی المعاصر ای اذا کان بلا حجة لان المعاصرة تفضی غالباً الی المنافرة' ترجمہ: ائمہ حدیث فرماتے ہیں: معاصر کی جرح کے خلاف جرح قبول نہیں کی جائے گی جبکہ بغیر دلیل کے ہو، کیونکہ معاصرت عموماً نفرت کا باعث بنتی ہے (الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل للکھنوی، ص ۲۱۵)

معاصرت اور ان دونوں کے درمیان صفات باری تعالیٰ کے تعلق سے شدید اختلاف کی وجہ سے ہی امام ابن سبکی رحمہ اللہ کے نقد کو علمائے کرام نے رد کر دیا، یا یہ

رسالت ہی میں ہندوستان چلے آئے تھے، اس لیے آپ بھی قید صدی سے باہر سمجھے جائیں گے۔ (ج) اور اگر کوئی بصد ہو اور حدیث کو عموم پر ہی محمول کرتا ہو تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے ببارتن ہندی کی درازی عمر کے لئے چھ مرتبہ دعا فرمائی، ہر بار میں سو سال کی آپ کو عمر ملی۔ پھر حدیث ذکر کی: 'وقال لی عند خروجی الخ' آئیے دیکھتے ہیں ان کی مذکورہ بالا بنیادوں میں کتنا قرار اور کتنا تزلزل ہے۔

پہلی دلیل:

پہلی دلیل کتنی کمزور اور ناقص ہے مندرجہ ذیل نکات کی روشنی میں ان شاء اللہ واضح ہو جائے گا، اور یہ بھی روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ امام ابن سبکی رحمہ اللہ کی جرح و نقد امام ذہبی رحمہ اللہ کے قول کے انحطاط کا باعث نہیں بن سکتا، لہذا وہ معتمد علیہ ہونگے، ملاحظہ فرمائیں:

پہلا نکتہ: امام ابن سبکی رحمہ اللہ کی جرح و نقد کا اعتبار امام ذہبی رحمہ اللہ کے حق میں مقبول نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگرچہ دونوں کے درمیان استاذ اور شاگردی کا رشتہ ہے مگر چونکہ دونوں ایک دوسرے کے معاصر ہیں اور ساتھ ساتھ ان کے درمیان صفات باری تعالیٰ وغیرہ کے مسئلہ میں سخت اختلاف بھی ہے، اس لیے امام ابن سبکی رحمہ اللہ کی جرح امام ذہبی رحمہ اللہ کے بارے میں معتبر نہیں ہوگی۔ امام ابو محمد عبد اللہ بن وہب قرشی لمبسوطہ میں فرماتے ہیں:

'انه لا یجوز شهادة القاری علی القاری . یعنی العلماء . لانهم اشد الناس تحاسدا وتباغضا، وقاله سفیان الثوری ومالک بن دینار'

ترجمہ: ایک عالم کی دوسرے عالم کے خلاف گواہی معتبر نہیں، کیونکہ ان کے اندر بغض و حسد بہت زیادہ پایا جاتا ہے، اور اسی کے قائل سفیان ثوری اور

لوگ امام ذہبی اور ان کی کتابوں پر پورہ اعتماد کرنے لگے ہیں، بہر حال حق یہ ہے کہ: خود امام سبکی رحمہ اللہ کے قاعدہ کی بنیاد پر ان کی جرح اور امام ذہبی رحمہ اللہ کے اصول کی بنا پر کہ معاصر کی جرح ایک دوسرے کے خلاف معتبر نہیں، امام ذہبی رحمہ اللہ کے خلاف قابل قبول نہ ہوگی (حاشیہ قاعدۃ المورخین لابن السبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث، ص ۷۸)

امام سخاوی رحمہ اللہ امام سبکی رحمہ اللہ کے نقد کو امام ذہبی کے بارے میں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: 'فالذی نسب الذہبی لذلك هو تلمیذہ التاج السبکی وهو علی تقدیر تسلیمہ، انما هو فی افراد مما وقع التاج السبکی اقیح منه' .

ترجمہ: جس افراط و تفریط کی طرف امام سبکی نے اپنے شیخ کو منسوب کیا ہے اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے، تو وہ تو خود بھی بعض افراد کے بارے میں افراط و تفریط کے شکار ہوئے ہیں جو ان سے زیادہ قبیح ہے (الاعلان بالتونیح للسخاوی، ص ۱۰۱) اس کی مثالیں مذکورہ کتاب میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

قاضی شوکانی امام سبکی رحمہ اللہ پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: 'ومن جملة ما قاله السبکی فی الحافظ الذہبی: انه کان اذا اخذ القلم غضب حتی لا یدری ما یقول وهذا باطل، فمصنفاہ تشهد بخلاف هذه المقالة، وغالیہا الانصاف والذب عن الافاضل واذ جرى قلمہ بالوقیعة فی احد، فان لم یکن من معاصریہ فهو انما روی ذلک عن غیرہ، وان کان من معاصریہ فالغالب انه لا یفعل ذلک الا مع من یتحققہ وان وقع ما ینخالف ذلک نادرا فهذا شان البشر وکل احد یؤخذ من قوله ویتسرک الا المعصوم، والا هویة تختلف، والمقاصد تتباين

کہ کر غیر مقبول قرار دے یا کہ امام ابن سبکی رحمہ اللہ نے جس تعصب اور بے جا نقد کو امام ذہبی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر کے ان کو غیر معتبر بنانے کی کوشش کی ہے وہ خود بھی اسی بلا میں ملوث ہیں؛ بلکہ ان سے دو چار ہاتھ آگے ہی ہیں۔ چنانچہ امام صنعانی رحمہ اللہ 'صاحب سبل السلام' اپنی کتاب 'توضیح الافکار لمعانی تنقیح الا نظار' میں ان کے قول پر تعجب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'قلت لا یخفی ان ابن السبکی شافعی حاد اشعری وان الذہبی امام کبیر الشان، حنبلی الاعتقاد، شافعی الفروع و بین ہاتین الطائفتین الحنابلہ والاشعریۃ فی العقائد: فی الصفات و غیرہا تنافر کلی فلا یقبل السبکی علی الذہبی بعین ما قالہ فیہ..... فلم ینقی لباحث طمانینۃ الی قول احد بعد قول ابن السبکی: انه لا یقبل الذہبی فی مدح حنبلی ولا ذم اشعری وقد صار الناس عالیۃ علی الذہبی و کتبہ، ولكن الحق انه لا یقبل علی الذہبی ابن السبکی لما ذکرہ هو، ولما ذکرہ الذہبی من انه لا یقبل الاقران بعضهم علی بعض'

ترجمہ: واضح ہے کہ ابن سبکی رحمہ اللہ شافعی ہونے کے ساتھ تشدد اشعری ہیں اور ذہبی رحمہ اللہ بڑے امام، اعتقاد میں حنبلی ہیں اور فروعیات میں شافعی کی پیروی کرتے ہیں، اور ان دونوں جماعتوں کے درمیان خدا کی صفات وغیرہ میں اعتقاد کے تعلق سے پورے طور سے بعد ہے۔۔۔۔۔ امام ابن سبکی رحمہ اللہ کا امام ذہبی رحمہ اللہ کے بارے میں ایسا قول کرنے کے بعد کہ: امام ذہبی کا قول کسی حنبلی کی تعریف یا کسی اشعری کی مذمت میں قبول نہیں کیا جائے گا، کوئی معتبر آدمی نہیں رہ گیا کہ جس کی طرف باحث رجوع کر کے اپنے دل کو اطمینان بخشنے، اور حال یہ ہے کہ

دوسرا نکتہ: اور اگر برسبیل تنزل یہ مان لیا جائے کہ امام سبکی رحمہ اللہ کی نقد و جرح امام ذہبی رحمہ اللہ کے حق میں معتبر ہے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کے معاصر ہیں اور بعض مسائل میں سخت اختلاف بھی رکھتے ہیں، اس صورت میں بھی جب ہم ان کے اقوال کی طرف نظر کرتے ہیں تو یہ واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ امام سبکی رحمہ اللہ کی جرح و قدح کو دلیل بنا کر امام ذہبی رحمہ اللہ کے قول کو رد کرنا اور پھر بابا رتن ہندی کو صحابی ثابت کرنے کی کوشش کرنا درست نہیں، کیونکہ یہ جرح و قدح صرف اہل سنت و صوفیاء کے ساتھ خاص ہے اور یہ مسئلہ نہ تو اہل سنت سے تعلق رکھتا ہے اور نہ ہی صوفیاء کے ارد گرد گھومتا ہے بلکہ یہ مسئلہ تو کسی کے صحابی ہونے اور نہ ہونے پر ہے۔ جس میں کسی فریق کی وجہ سے کسی کے صحابی ہونے کا انکار کرنا خطرے سے خالی نہیں اور ایسی امید ایسے امام علم و فن سے نہیں کی جاسکتی۔

امام ابن سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'لہ علم و دیانۃ ، وعندہ علی اہل السنۃ تحامل مفراط فلا یجوز ان یعتمد علیہ' (قاعدۃ فی الجرح والتعدیل ص ۴۲)

ترجمہ: اگرچہ امام ذہبی رحمہ اللہ کا علم اور ان کی دیانتداری مسلم ہے مگر ساتھ ہی ان کے کلام میں اہل سنت پر زیادتی بھی موجود ہے اس لئے ان کی جرح و تعدیل پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: 'وأما تاریخ شیخنا الذہبی غفر اللہ لہ . فانہ علی حسنہ و جمعہ . مشحون بالتعصب المفرط لا واخذہ اللہ ، فقد اکثر الوقیعة فی اہل الدین ، اعنی الفقراء الدین ہم صفوة الخلق الخ'

ترجمہ: اور ہمارے شیخ امام ذہبی رحمہ اللہ کی "تاریخ الاسلام" اگرچہ عمدہ

وربک یحکم بینہم فیما کانوا فیہ یختلفون' .

ترجمہ: اور امام سبکی رحمہ اللہ کی تقدیر میں سے امام ذہبی رحمہ اللہ پر یہ بھی ہے: امام ذہبی رحمہ اللہ جب لکھنے کا ارادہ کرتے تو غصہ میں آجاتے اور کیا لکھتے وہ خود نہیں سمجھ پاتے تھے۔ یہ قول باطل ہے، جس کے بطلان پر ان کی کتابیں شاہد عدل ہیں، ان کی کتاب کا اکثر حصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ علماء کے حق میں انصاف سے کام لیتے تھے اور ان سے خرابیوں کو دور کرتے تھے، اور اگر ان کا قلم کسی کے بارے میں نقد کے لئے اٹھا اور خطا واقع ہوئی تو وہ ان کا ہم عصر نہیں ہوگا اور دوسرے کا قول ان کے بارے میں ذکر کرنے کی وجہ سے ایسا ہوا، اور اگر ان کے معاصر میں سے ہے تو نقد کرنے کے لئے انہیں پر قلم اٹھایا اور وہی لکھا جس کا وہ مستحق تھا، اور اگر کبھی غلطی سے خلاف حق جرح ہوگئی تو یہ تو بشر کی فطرت سے ہے، اور معصوم کے سوا ہر شخص کے بعض قول لئے جاتے ہیں اور بعض چھوڑ دیئے جاتے ہیں، اور خواہشات ہر ایک کی مختلف ہوتی ہیں اور تمہارا رب ان کے اختلاف کا فیصلہ کرے گا (البدرا الطالع للشوکانی، ج ۲ ص ۱۱۱)

اور دوسری جگہ امام سخاوی فرماتے ہیں: 'بالغ السبکی فی کلامہ مع ان الذہبی عمدتہ فی جل التراجم و کونہ ہو - ای السبکی - فلزاد التعصب علی الحنابلة کما اسلفته فشارکہ فیما زعمہ من التعصب و دعوی الغیبة' .

ترجمہ: امام سبکی رحمہ اللہ نے امام ذہبی رحمہ اللہ پر نقد کرنے میں مبالغہ کیا ہے، حالانکہ وہ اکثر تراجم میں عمدہ ہیں، اور ابن سبکی تو خود حنابلہ کے ساتھ تعصب سے پیش آئے ہیں، لہذا امام ذہبی کے بارے میں تعصب اور بے جا نقد کا دعویٰ کرتے کرتے خود اس میں گرفتار ہو گئے (الاعلان بالتونیح للسخاوی، ص ۱۳۵)

ترجمہ: ابن عساکر سے روایت کی گئی ہے کہ وہ یعنی (ابن فارض) اپنے شعر میں صریح اتحاد کا ذکر کرتے ہیں اور یہ بلائے عظیم ہے، تو پہلے ان کے اشعار کو غور سے پڑھو اور حکم لگانے میں جلدی نہ کرو بلکہ صوفیاء کرام کے تعلق سے حسن ظن رکھو (میزان الاعتدال للذہبی، ج ۳ ص ۲۱۴)

اور ان کے اہل سنت و جماعت اور صوفیاء کرام سے محبت کی دلیل یہ بھی ہے کہ ان کی کتابوں میں صوفیاء کرام اور صلحا کا ذکر بہت بہتر طریقہ سے ہے ان کی جا بجا امام ذہبی رحمہ اللہ تعریف و توصیف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، ان کی کرامت اور خوابوں کا ذکر کرتے ہیں، ان حضرات کے ذکر خیر سے ان کی کتابیں مملو ہیں یہ یقیناً ان کے صلاح قلب اور دین حق میں خیر خواہی کی دلیل ہے۔

ان کی محبت کو صوفیاء اور اہل سنت سے آشکارہ کرنے کے لئے اور ان سے تعصب کی تہمت اتارنے کے لئے مثال کے طور پر مندرجہ ذیل زاہدوں اور صلحاء کے تراجم دیکھنا ضروری ہے جن کے بارے میں امام ذہبی رحمہ اللہ شرح و بسط کے ساتھ ترجمہ لکھ کر ان سے اپنی محبت والفت کا اظہار کیا ہے:

(۱) عظیم تابعی اولیس قرنی یمانی رحمہ اللہ۔ (تاریخ الاسلام للذہبی، ج ۲ ص ۱۷۵، سیر اعلام النبلاء للذہبی، ج ۴ ص ۳۳۱۹)

(ب) تابعی جلیل ابو مسلم خولانی، دارانی، دمشقی رحمہ اللہ۔ (تاریخ الاسلام للذہبی، ج ۲ ص ۲۹۸۲، سیر اعلام النبلاء للذہبی، ج ۴ ص ۱۴۷)

(ج) جلیل تابعی محمد بن واسع بصری رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (تاریخ الاسلام للذہبی، ج ۵ ص ۲۶۲۵، سیر اعلام النبلاء للذہبی، ج ۶ ص ۱۲۳۱۱۹)

ان کے علاوہ اور بہت سارے تابعین کرام اور بعد کے صوفیاء کرام کا طویل ذکر ان کی مذکورہ دونوں کتابوں میں ملے گا خاص کر جب دوسرے تراجم کی طرف نسبت

کتاب ہے مگر وہ کتاب بے جا تعصب سے بھری پڑی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے انہوں نے صوفیائے کرام جو صوفیۃ الخلق ہیں ان پر بہت بے جا نقد کیا ہے (قاعدة المورخین لابن السبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث، ص ۶۶) اور تیسرے مقام پر فرماتے ہیں: 'والذی افنی به انه لا يجوز الاعتماد علی کلام شیخنا الذہنی فی ذم الاشعری ولا شکر حنبلی واللہ المستعان'۔

ترجمہ: اور فتویٰ یہ ہے کہ جب ہمارے شیخ امام ذہبی رحمہ اللہ کا کلام کسی اشعری کی مذمت یا کسی حنبلی کی تعریف میں ہو تو ان کے کلام پر اعتماد نہیں کیا جائے گا (قاعدة المورخین لابن السبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث، ص ۷۷)

اور اگر ان اقوال سے استدلال درست مان بھی لیا جائے اور مذکورہ مسئلہ کو اہل سنت کا مسئلہ قرار دیا جائے پھر بھی اگر ہم ان کے اقوال کی طرف غائرانہ نظر ڈالتے ہیں اور پھر امام ذہبی رحمہ اللہ کے مصنفات کی طرف نظر کرتے ہیں تو حقیقت ان کے اقوال - جن کو وہ جرح سمجھتے ہیں - کے خلاف نظر آتی ہے۔ آخر ان تینوں اقوال کا نچوڑ یہی ہے کہ امام ذہبی رحمہ اللہ اہل سنت، صوفیاء کرام پر کلام کر کے ان پر حد سے زیادہ شدت برتی ہے، لہذا ان کا قول معتبر نہیں ہوگا۔ حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ امام ذہبی نیک اور متقی آدمی تھے، صوفیاء اور صلحاء سے محبت رکھتے تھے، ان کے محبت کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ انہیں بعض صوفیاء کے افعال پر اعتراض ہوتا مگر وہ ان کے بارے میں حسن ظن کا حکم دیا کرتے تھے۔

چنانچہ جب صوفی شیخ ابن فارض کا ترجمہ لکھا، اس وقت فرمایا: 'حدث عن القاسم بن عساکر ینعن بالاتحاد الصریح فی شعره و هذه بلیة عظيمة فتدبر نظمه و لا تستعجل ولكن حسن الظن بالصوفیة'۔

من غلبت طاعاته علی معاصیہ ، و مادحوہ علی ذامیہ ، و مزکوه علی جارحیہ ، اذا كانت هناك قرينة يشهد العقل بان مثلها حامل علی الوقیعة فی الذی جرحه من تعصب مذهبی او منافسة ذنیویة ، كما یکون بین النظراء او غیر ذلک .

ترجمہ: جارح کی جرح اگرچہ مفسر ہو اس شخص کے حق میں جس کی طاعات اس کے معاصی پر اور اس کے مدح کرنے والے مذمت کرنے والے پر اور معدلین مجرحین پر غالب ہوں ، قبول نہیں کی جائے گی ، یہ اس صورت میں ہے جبکہ جارح مجروح کے حق میں مذہبی تعصب یا ذنیوی تنافس کا شکار نہ ہو ، جیسا کہ ہم عصر وغیرہ کے درمیان ہوتا ہے (قاعدۃ فی الجرح والتعدیل من اربع رسائل فی علوم الحدیث ، ص ۳۰)

امام ذہبی رحمہ اللہ کے تعلق سے مختصر اچند اقوال ذکر کرتا ہوں جس سے صاف واضح ہو جائے گا کہ وہ اس مذکورہ قاعدہ کی روشنی میں اس قابل ہیں کہ امام ابن سبکی رحمہ اللہ کے قول کو ان کے حق میں قبول نہ کیا جائے۔

(۱) قال تلمیذہ الحافظ المحدث الفقیہ الأصولی المورخ تاج الدین السبکی.....:

وأما استاذنا ابو عبد الله فبحر لا نظیر له ، و كنز هو الملقب اذا نزلت المعضلة ، امام الوجود حفظاً ، و ذهب العصر معنی و لفظاً ، و شیخ الجرح و التعدیل ، و رجل الرجال فی کل سبیل ، كانما جمعت الامة فی صعید فنظرها ، ثم اخذ ینخر عنها اخبار من حضرها ، و هو الذی خرجنا فی هذه الصناعة ، و ادخلنا فی عداد الجماعة ، جزاه الله عنا افضل الجزاء ، و جعل حفظه من غرفات الجنان موفر

کر کے دیکھا جائے تو یقیناً صوفیائے کرام کے مناقب اور اولیائے کرام کی کرامات ذکر کرنے میں امام ذہبی رحمہ اللہ کو فوقیت حاصل ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ ان کے تراجم میں تشدد کرتے تھے صحیح نہیں۔

تیسرا نکتہ: اگر مزید تنزیل کی جائے اور مان لیا جائے کہ آپ کے مطابق ان کی جرح معتبر ہے اور ان کی دلائل و اقوال بھی ذہبی رحمہ اللہ کے بارے میں بالکل صحیح اور واقع کے مطابق ہے ، تو پھر غور کرنے کی ضرورت ہے کیا صرف ایک یا دو مجرح کی وجہ سے ان کے قول کو رد کر دیا جائے گا اگرچہ ان کی توثیق و توصیف میں علماء و محدثین کی ایک طویل فہرست ہو ، یقیناً ایسا نہیں ہوگا بلکہ جمہور کا قول لیا جائے گا کیونکہ یہ اصول حدیث کے موافق ہے خاص طور سے جبکہ مجرح کی دلیل مضبوط نہ ہو۔

ہمارے استاذ محترم رضا بن زکریا بن محمد دام ظلہ فرماتے ہیں: 'ان كان عدد المعدلین اكثر قدم التعدیل لأن كثرة المعدلین تقوی حالهم وقلة الجارحین تضعف خیرهم (أی يقدم الاكثر عددا)

ترجمہ: اگر معدلین کی تعداد زیادہ ہو تو ان کو مجرحین پر مقدم رکھا جائے گا کیونکہ ان کا زیادہ ہونا ان کی حالت کو تقویت بخشتا ہے اور مجرحین کا کم ہونا ان کی خبر کو ضعف کی طرف لے جاتا ہے (الارشاد الی کیفیت دراستہ الاسناد لرضا زکریا ، ص ۱۷۷) اور اگر تھوڑا غور کیا جائے تو خود امام ابن سبکی رحمہ اللہ کا قاعدہ اس بات پر شاہد عدل ہے کہ ان کا قول امام ذہبی رحمہ اللہ کے حق میں مقبول نہ ہوگا ، خصوصاً جبکہ اس کا سبب آپسی اختلافات ہوں ، یا عصبیت کی بنا پر اس کا صدور ہوا ہو ، اور قرینہ شاہد عدل ہے کہ ان کی جرح و قدح انہیں چیزوں کی وجہ سے تھی جیسا کہ ثابت ہو چکا۔

چنانچہ فرماتے ہیں: 'الجارح لا یقبل منه الجرح وان فسره فی حق

حتى يبين ما فيه من ضعف متن، او ظلام اسناد، او طعن في رواته، و هذا لم ار غيره يراعى هذه الفائدة فيما يورده. انتهى (ذكر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل للذهبي من اربع رسائل في علوم الحديث، ص ۱۵۸)

امام ذہبی رحمہ اللہ کے مزید اوصاف جاننے کے لیے مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے:

(۱) البدر الطالع ۲: ۱۱۰، ۱۱۲ (۲) تاریخ ابن الوردي ۲: ۲۳۹ (۳) الدرر الكامنة ۳: ۲۲۶، ۲۲۷ (۴) المدارس في اخبار المدارس ۱: ۷۸، ۷۹ (۵) ذیول العمرة ۷: ۲۶۸، ۲۶۹ (۶) شذرات الذهب ۶: ۱۵۳، ۱۵۷ (۷) طبقات الاسنوی ۱: ۵۵۸، ۵۵۹ (۸) طبقات القراء ۲: ۷۱، ۷۲ (۹) طبقات ابن ہدایة اللہ ۲: ۲۳۲ (۱۰) فہرس الفہارس ۱: ۳۱۲، ۳۱۴ (۱۱) فوات الوفيات ۲: ۳۷۰، ۳۷۲ (۱۲) مرآة الجنان ۲: ۳۳۱، ۳۳۳ (۱۳) مفتاح السعادة ۱: ۲۶۱، ۲۶۲، ۳۵۸، ۳۵۹ (۱۴) النجوم الزاهرة ۱۰: ۱۸۲ (۱۵) نکات الہیمان ۲۳۱، ۲۳۲ (۱۶) الوافی بالوفیات ۲: ۱۶۳، ۱۶۸۔

ان تمام نکات سے یہ بات اجاگر ہو کر سامنے آگئی کہ ابن سبکی رحمہ اللہ کی نقد ذہبی رحمہ اللہ کے حق میں جارح نہیں، نیز یہ کہ ذہبی رحمہ اللہ کی شخصیت علمائے حدیث کے نزدیک مسلم ہے، یہاں تک کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے آب زمزم پیا اور دعا فرمائی کہ اے اللہ مجھے حفظ میں امام ذہبی رحمہ اللہ کے مرتبہ تک پہنچا دے۔ لہذا حافظ ذہبی رحمہ اللہ ببارتن ہندی کی تکذیب میں محق ہیں، مزید برآں وہ اس رائے میں تنہا نہیں بلکہ ان کی تائید میں ان کے ایک ہم عصر عالم جلیل کا قول بھی موجود ہے:

امام ذہبی رحمہ اللہ کے ایک ہم عصر فقیہ، محدث ابو عبد اللہ معین الدین محمد بن جابر و دیاشی نے بھی ببارتن ہندی کو صحابی نہیں مانا، چنانچہ تینک جنھوں نے معمر بن

الجزاء. (طبقات الشافعية الكبرى للسبكي، ج ۹ ص ۱۰۰، ۱۰۱)

(۲) وقال الحافظ السيوطي في ترجمة الذهبي: 'حكي عن شيخ الاسلام ابى الفضل بن حجر، انه قال شربت ماء زمزم لاصل الى مرتبة الذهبي في الحفظ. والذي ا قوله: ان المحدثين عيال الان في الرجال وغيرها من فنون الحديث على اربعة: المزمي، والذهبي، والعراقي، وابن حجر. انتهى. (ذيل طبقات الحافظ للسيوطي، ص ۳۲۸)

(۳) وقال الحافظ ابن كثير في الثناء على الذهبي: الشيخ الحافظ الكبير مورخ الاسلام و شيخ المحدثين.... وقد ختم به شيوخ الحديث وحفاظه. (البدایة والنہایة لابن کثیر، ج ۱ ص ۲۲۵)

(۴) وقال تلميذ الذهبي ايضا العلامة المورخ الاديب صلاح الدين الصفدي، في 'الوافي بالوفيات' ج ۲ ص ۶۳، في ترجمته: '... حافظ لا يجارى، ولا فظ لا يبارى، اتقن الحديث و رجاله، و نظر علله واحواله و عرف تراجم الناس، و ازال الابهام في تواريخهم و الالباس، ذهن يتوقد ذكاوه، و يصح الى الذهب نسبتته و انتماؤه، جمع الكثير، و نفع الجم الغفير، و اكثر من التصنيف، و وفر بالاختصار مؤونة التطويل في التاليف.

اجتمعت به و اخذت عنه، و قرأت عليه كثير امن تصانيفه، و لم اجد عنده جمود المحدثين، و لا كودنة النقلة بل هو فقيه النظر، له دربة باقوال الناس و مذاهب الأئمة من السلف و ارباب المقالات. و اعجبنى منه ما يعانیه في تصانيفه، من انه لا يتعدى حديثا يورده

کیونکہ صرف اخذ حدیث مروی عنہ کے موثق ہونے کی علامت یا دلیل نہیں ہو سکتی، انشاء اللہ ذیل کی عبارت سے واضح ہو جائے گا۔

حافظ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'و کذا لیس تعدیلا مطلقا علی القول الصحیح الذی قال بہ اکثر العلماء من المحدثین وغیرہم روایۃ العدل الحافظ الضابط فضلا عن غیرہ عن الراوی علی وجہ التصریح باسمہ لانہ یجوز ان یروی عنہ لا تعرف عدالتہ، بل و عن غیر عدل فلا تتضمن روایتہ عنہ تعدیلہ ولا خبرا عن تصدیقہ'. (فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث، للسخاوی، ج ۱ ص ۲۶۵)

اور اگر اصولیین اور بعض محدثین کا اعتبار کیا جائے تو بھی ان کا روایت کرنا مروی عنہ کے لیے معطل نہیں ہو سکتیں، کیونکہ جن کے بارے میں اخذ حدیث و تصحیح سند کا ذکر کیا گیا ہے ان کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ 'عدول' سے روایت کرنے کا التزام کرتے تھے یا نہیں؟ اور حالات یہی بتاتے ہیں کہ التزام نہیں کرتے تھے، کیونکہ ان لوگوں نے ایسے شخص سے روایت کی ہے جس کے بارے میں اکثر علمائے عظام کذاب ہونے کا قول کر چکے ہیں۔

والثابت التفصیل، فان علم انه لا یروی الا عن عدل کانت روایتہ عن الراوی تعدیلا لہ والا فلا، وهذا هو الصحیح عند الاصولیین کالسیف الآمدی الخ..... (فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث، للسخاوی، ج ۱ ص ۲۶۶)

لہذا مولانا کی یہ دلیل بھی با بارتن ہندی کی صحابیت ثابت کرنے کے حق میں قابل قبول نہیں ہوگی۔

تیسری دلیل: مقالہ نگار نے حدیث کا مفہوم بیان کرنے کے لئے چار

کذابوں کے تعلق سے دو شعر کہے تھے، ان کی تائید کرتے ہوئے انہوں نے بھی ایک شعر کہا اور اس میں رتن ہندی کو ذکر کر کے ان کے اشعار کے ساتھ ذکر کر کے ان کے اشعار کو تقویت بخشی۔

چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: 'أنشدنی الودیاشی یعنی بہ ابا عبد اللہ معین الدین محمد بن جابر بن محمد بن قاسم بن احمد بن محمد بن حسان القیسی الفقیہ المحدث المصری الرحال المکی قال تینک البیتین فیشفع یعنی بہما... حدیث بن نسطور ویسر ویغنم... وافک اشج الغرب ثم خراش... ونسخة دینار واخبار رتبة... ابی ہدبۃ القیسی شبہ فراشی... قال الذہبی: فعززہما یعنی الودیاشی بقولہ... رتن ثامن والماردینی... تاسع ربیع بن محمود وذلک فاشی. ولم یصرح الذہبی فی ربیع الوضع'. (۲۲)

دوسری دلیل: یہ ہے کہ جب لوح محفوظ کا مطالعہ کرنے والے اولیا و ابدال آپ کی صحابیت کے بارے میں تصدیق فرمائیں تو محض ایک امام ذہبی صاحب کے قول کی بنیاد پر آپ کی صحابیت کا انکار کرنا مناسب نہیں، (ص ۳۲) دوسرے جگہ فرماتے ہیں: آپ کی صحابیت کی اور آپ سے اخذ حدیث و تصحیح سند کرنے والے حضرات کے اسمائے گرامی (ص ۳۶)

مقالہ نگار کا صرف یہ کہہ دینا کافی نہیں کہ اولیا کرام و ابدال نے آپ کی صحابیت کی تصدیق فرمائی، بلکہ ضروری ہے کہ دلائل و براہین کی روشنی میں اپنے قول کو ثابت کرتے، اور پورے مقالے میں ایسا کچھ نہیں، ہاں کچھ لوگوں کی با بارتن ہندی سے اخذ حدیث کے تعلق سے ذکر ہے اگر صاحب مقالہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہی توثیق و تعدیل ہے تو یہ جمہور علمائے محدثین و دیگر علماء کے قانون کے خلاف ہے،

اور مقالہ نگار آگے لکھتے ہیں: علامہ مارزی فرماتے ہیں: 'حدیث شریف کے الارض' میں 'الف لام' عہد کا ہے، اس سے عرب کی سرزمین مراد ہے اور آگے لکھتے ہیں: حضرت شاہ سید محمد علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی فرماتے ہیں: 'اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ ایک صدی کے بعد کوئی میرا دیکھنے والا نہ رہے گا، مراد اس کی زمین حجاز سے ہے۔ یعنی حجاز میں جس نے حضور کو دیکھا ہے وہی اس حدیث کے حکم میں شامل ہے باقی لوگ صدی سے زیادہ زندہ رہ سکتے ہیں۔

آئیے پہلے حجاز و عرب کی وسعت کو سمجھتے ہیں۔ حجاز: مکہ اور اس سے متعلق مدینہ تک جو تہامہ اور نجد کے درمیان ہے اسے حجاز کہتے ہیں۔ محمد ابراہیم سلیم فرماتے ہیں: 'الحجاز: مکة و ما يتعلق بها الى المدينة ما بين تهامة و نجد' (نسب و معنای، ص ۳۶) اور عرب: مکہ و مدینہ کے علاوہ یمن وغیرہ کو بھی شامل ہے۔ حجاز اور عرب کے حدود بیان کرنے سے واضح ہو گیا کہ یہ دلیل یعنی علامہ مارزی رحمہ اللہ کا قول بھی قابل استدلال نہیں ہے؛ کیونکہ صاحب مقالہ پہلے ہی مان چکے ہیں کہ حدیث کی وسعت حجاز کو شامل ہے و بس، اور عرب حجاز کے علاوہ دوسرے ملکوں مثلاً یمن وغیرہ کو بھی شامل ہے۔ بہر کیف اس بیان سے واضح ہو گیا کہ مقالہ نگار کے موقف کے موافق فقط ایک قول ہے جس کو بنیاد بنا کر بارتن ہندی کو صحابی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو جمہور علماء کے قول کے خلاف ہے؛ لہذا حضرت شاہ سید محمد علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی صاحب کے قول سے بھی اپنا موقف ثابت کرنا درست نہ ہوگا۔

چوتھی دلیل: مقالہ نگار تحریر کرتے ہیں: "پھر اگر درازی عمر ہی پر اعتراض ہو تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر تقریباً تین سو سال ہوئی تھی..... یہ تمام حضرات حجاز مقدس سے باہر تھے اس لئے اس حدیث

طرح کے اقوال نقل کئے ہیں:

(۱) حدیث کے الفاظ: ((علی وجہ الارض)) کا مفہوم پوری دنیا کو شامل ہے (۲) ان الفاظ سے مراد صرف مدینہ ہے جو قبیل سے ذکر کیا گیا ہے (۳) ان سے مراد عرب ہے (۴) مذکورہ الفاظ سے مراد حجاز ہے اور اس میں وہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا ہے۔ پھر خلاصہ حدیث میں حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: 'یعنی جتنے لوگ حجاز مقدس پر رہنے بسنے والے ہیں ان میں سے کسی کی بھی سو سال سے زیادہ عمر نہیں ہوگی، البتہ اس صدی کے بعد والوں کی عمر حجاز میں بھی سو سال سے زیادہ ہو سکتی ہے۔

مذکورہ بالا اقوال سے لگتا ہے کہ ان کے پاس اپنے موقف کے ثابت کرنے کے لئے کئی ایک دلیلیں ہیں، حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے ان شاء اللہ ذیل میں بیان سے واضح ہو جائے گا۔

صاحب مقالہ کی مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ ان کو یہ تسلیم ہے کہ حدیث کے الفاظ: ((علی وجہ الارض)) کی وسعت حجاز کو شامل ہے و بس؛ لہذا پہلا قول تو ان کے لئے دلیل بن ہی نہیں سکتا؛ کیونکہ وہ پوری روئے زمین کو شامل ہے، اور علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ کا 'قبیل' سے ذکر کیا ہوا قول بھی دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ اس کا قائل 'علی وجہ الارض' حدیث کے الفاظ سے صرف مدینہ مراد لے رہا ہے۔

نیز اس قول کے قائل پر ابن حجر رحمہ اللہ رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اور حق تو یہ ہے کہ الارض میں الف لام عموم کے لئے ہے اور تمام بنی آدم کو شامل ہے۔ و ابعده من قال: أن اللام في الارض عهدية والمراد ارض المدينة والحق انها للعموم وتناول جميع بنی آدم (فتح الباری بشرح صحیح البخاری لابن حجر، ج ۲: ص ۸۹)

حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مطلب وہ ہے جو صاحب مقالہ نے امام نووی کے قول میں ذکر کیا ہے فرماتے ہیں: 'اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ جو جان بھی اس رات میں موجود ہوگی وہ اسی رات کے بعد سو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہے گی، پہلے چاہے اس سے زیادہ عمر ہو یا کم۔ اس عبارت کو غور سے پڑھیں پھر سوچیں کیا وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کا مقالہ میں ذکر کیا گیا ہے ان میں سے کسی کی عمر اس مذکورہ حدیث کے ورود کی رات سے شمار کرنے میں سو سے زیادہ ہوئی؟ واضح جواب ملے گا۔ نہیں۔ تو پھر حدیث سے ان ذکر کردہ صحابہ کرام پر اعتراض بھی نہیں ہوگا اگر چہ وہ حجاز ہی میں کیوں نہ ہوں، لہذا یہ کہنا بجا نہ ہوگا: 'پھر اگر درازی عمر ہی پر اعتراض ہوا ہے..... اور ساتھ ہی ان صحابہ کو مشبہ بہ بنا کر یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا: 'اسی طرح بابا رتن ہندی عہد رسالت ہی میں ہندوستان چلے آئے تھے اس لئے آپ بھی قید صدی سے باہر سمجھے جائیں گے۔'

پانچویں دلیل: لکھتے ہیں: 'اور اگر کوئی بضد ہو اور حدیث کو عموم پر ہی محمول کرتا ہو تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ حضور اکرم ﷺ نے بابا رتن ہندی کی درازی عمر کے لئے چھ مرتبہ دعا فرمائی، ہر بار میں سو سال کی آپ کو عمر ملی۔ پھر حدیث ذکر کی: 'وقال لی عند خروجی الخ.....'

جس مزعومہ صحابی بابا رتن ہندی پر ان احادیث کا مدار تھا، مذکورہ بالا بیان سے جب ان کا صحابی ہونا باطل ہو گیا تو ان کی احادیث بھی باطل ہو گئیں، اور ان احادیث سے استدلال کرنا بھی باطل ہو گیا۔

شریف سے ان پر کوئی اعتراض نہیں پڑے گا، اسی طرح بابا رتن ہندی بھی عہد رسالت ہی میں ہندوستان چلے آئے تھے، اس لیے آپ بھی قید سے باہر سمجھے جائیں گے۔'

اولا: عرض کروں، اعتراض صرف عمر کی درازی پر نہیں ہے بلکہ صریح حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہے، نیز قرآن اس بات پر واضح دلالت کرتے ہیں کہ بابا رتن ہندی یا تو کذاب تھا یا اس کا نام گڑھ کے اس کی طرف حدیثیں منسوب کر دی گئیں۔ کیونکہ کوئی صحابی ہو اور اس کی شہرت نہ ہو، چلیں مان لیتے ہیں پہلی صدی میں مشہور نہیں ہوئے مگر دوسری صدی جس میں تدوین کا دور شروع ہو کر، تیسری، چوتھی صدی میں اپنے آب و تاب پر پہنچ چکا تھا، علمائے عظام اس دور میں تابعین اور تبع تابعین سے علم حاصل کرنے کے لئے دور دور کا سفر کرنے لگے تھے، اس وقت بھی انہیں شہرت حاصل نہیں ہوئی، کیا اس سے عقلی طور پر تقریباً یہ بات یقین کو نہیں پہنچ جاتی کہ رتن ہندی نام کا کوئی صحابی نہیں تھا، اور اگر کوئی ابو طفیل عامر بن واثلہ لیشی کے ۱۰ھ میں انتقال کے بعد دوسری، تیسری، چوتھی صدی میں اس نام کا پایا جاتا تو ضرور ان دنوں وہ مشہور ہو جاتا، اور دنیا کے اطراف و اکناف سے لوگوں کا ان سے حدیث اخذ کرنے اور زیارت کرنے کا تانتا بندھ جاتا۔

ثانیا: شاید مقالہ نگار نے حدیث کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ جس کی بھی عمر سو سال کی ہو جائے گی اس کا خاتمہ ہو جائے گا چاہے حدیث کے ورود سے پہلے اس کی عمر کا شمار کیا جائے یا اسی رات سے شمار کیا جائے، اسی لیے شاید صاحب مقالہ نے فرمادیا: 'پھر اگر درازی عمر ہی پر اعتراض ہو تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر تقریباً تین سو سال ہوئی تھی..... یہ تمام حضرات حجاز مقدس سے باہر تھے اس لئے اس حدیث شریف سے ان پر کوئی اعتراض نہیں پڑے گا۔'

شریف سے مراد یہ ہے کہ جتنے لوگ اس وقت زمین پر موجود تھے سب کا وجود سو سال کے اندر صفحہ ہستی سے مٹ جائے گا، اور حدیث کی یہی تفسیر بڑے بڑے صحابہ کرام مثلاً حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ نے بھی فرمائی ہے۔

واما ما قاله صلی اللہ علیہ وسلم : ((من انه لا یبقی علی راس مائة سنة من تلك الليلة احد)) فمراده بذلك انخرام قرنه و موت اهله کلهم الموجودین منهم فی تلك الليلة علی الارض ، و بذلك فسره اکابر الصحابة لعلی بن ابی طالب و ابن عمر و غیرهما . (فتح الباری لابن رجب، کتاب الصلاة، ج ۳ ص ۸۲)

اس عبارت سے ظاہر ہوا کہ حضرت علی شیر خداری رضی اللہ عنہ نے بھی حدیث کا مفہوم یہی سمجھا۔

اس حدیث کے تعلق سے کیا موقف ہونا چاہئے اس کے لیے صحابہ کرام کی آراء کافی تھیں، مگر چونکہ بات آگئی ہے تو چند علما کے اقوال ذکر کر دیتا ہوں تاکہ ظاہر و باہر ہو جائے کہ جمہور علمائے کرام نے بھی ان احادیث کا یہی مطلب سمجھا اور بتایا، اور سو سال کے بعد اگر کسی نے صحابیت کا دعوہ کیا تو انہیں احادیث اور اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کے پیش نظر بغیر ادنیٰ تدبر کے رد کر دیا، نیز اگر کسی کو غلط فہمی ہوگئی ہو کہ شاید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد رائے بدل گئی ہے تو وہ ان اقوال کی تابناک روشنی میں اپنی اصلاح کر لے۔ ذیل میں محدث زمانہ، حامل سنت، حافظ دین و ملت کے کچھ اقوال پیش ہیں۔

امام شرف الدین نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث سے مراد یہ ہے کہ اس رات جو شخص بھی زمین پر باحیات تھا وہ سو سال سے زیادہ زندہ نہ رہے گا، اگرچہ اس کی عمر مذکورہ رات سے پہلے زیادہ ہو یا کم۔

حدیث عمر الامة کا صحیح مفہوم

محدثین کرام کی نظر میں

بخاری شریف کی حدیث ہے:

عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ قال: صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلة صلاة العشاء و هی التي يدعو الناس العتمة ثم انصرف فاقبل علینا فقال:

((أرئیتکم لیلتکم هذه فان راس مائة سنة منها لا یبقی ممن هو علی ظهر الارض احد)) (صحیح البخاری، باب السمر فی العلم، ج ۱ ص ۵۵)

اسی میں دوسری جگہ پر ہے:

عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہ قال: صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاة العشاء فی آخر حیاته فلما سلم قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال:

((أرئیتکم لیلتکم هذه فان راس مائة لا یبقی ممن هو الیوم علی ظهر الارض احد)). فوهل الناس فی مقالة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ما یتحدثون من هذه الاحادیث عن مائة سنة و انما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ((لا یبقی ممن هو الیوم علی ظهر الارض)) یرید بذلك انها تخرم ذلک القرن. (صحیح البخاری، باب السمر فی الفقه، ج ۱ ص ۲۱۶)

یہ دونوں حدیثیں امت کی عمر کے بارے میں ہیں، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو بھی انسان آج روئے زمین پر ہے وہ سو سال کے اندر اس دار فانی سے کوچ کر جائے گا، یہی مفہوم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا، جیسا کہ دوسری حدیث شریف کی تفسیر میں ان کے بیان سے ظاہر ہے۔

علامہ زین الدین ابو الفرج ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیث

’فان مراده ممن هو على ظهر الارض امته و القرائن تدل على ذلك منها قوله: ((ارايتمكم ليلتكم هذه)) و كل من على وجه الارض من المسلمين و الكفار امته اما المسلمون، فانهم امة اجابة واما الكفار فانهم امة دعوة و عيسى و الخضر عليهما السلام ليسا داخلين في الامة واما الشيطان فانه ليس من بنى آدم (۳۲)

امير المؤمنين في الحديث علامه ابن حجر عسقلاني رحمه الله فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ: حضور ﷺ کے فرمان کے وقت سے ایک سو سال کی تکمیل تک وہ صدی ختم ہو جائے گی اور کوئی باقی نہ رہے گا۔ اور استقرارے تام سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جس صحابی کے ذریعہ آپ ﷺ کا قول حق ثابت ہوا وہ ابو طفیل عامر بن وائلہ لیشی رضی اللہ عنہ تھے، اور اصحاب حدیث کا اس پر اجماع ہے کہ سب سے آخر میں انتقال ہونے والے صحابی ابو طفیل عامر بن وائلہ لیشی رضی اللہ عنہ ہیں۔

وقد بين ابن عمر في هذا الحديث مراد النبي ﷺ وان مراده ان عند انقضاء مائة سنة من مقالته تلك ينخرم ذلك القرن فلا يبقى احد ممن كان موجودا حال تلك المقالة، وكذلك وقع بالاستقراء فكان آخر من ضبط امره ممن كان موجودا حينئذ ابو الطفيل عامر بن وائله، وقد اجمع اهل الاحديث على انه كان آخر الصحابة موتا، وغاية ما قيل فيه انه بقى الى سنة عشر ومائة وهي راس مائة سنة من مقالة النبي ﷺ. (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، باب السمر في العلم، ج ۳ ص ۳۳۳)

حافظ حدیث علامہ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی مدعی ہو

’والمراد ان كل نفس منفوسة كانت الليلة على الارض لا تعيش بعدها اكثر من مائة سنة سواء قل عمرها قبل ذلك ام لا‘. (المصالح للإمام النووي على الصحيح مسلم: ۸ ص ۳۱۶)

جلالۃ العلم حافظ زین الدین عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص صحابیت کا دعویٰ کرے تو اسی کی صحابیت کو ماننے کے لئے ضروری ہے کہ ظاہری حالات اس کے موافق ہوں، لہذا اگر کسی نے سو سال کے بعد صحابی ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ سو سال کے بعد ابو الدنیا شج و مکلبہ بن ماکان اور رتن ہندی نے صحابی ہونے کا دعویٰ کیا، مگر علمائے حدیث نے ((ارایتکم لیلتکم ہذہ... الخ)) کے پیش نظر ان کی صحابیت کے دعویٰ کو رد کر دیا، اور ان کی تکذیب پر متفق ہو گئے۔

وعلى كل تقدير فلا بد من تقييد ما اطلقه بأن يكون ادعاؤه لذلك يقتضيه الظاهر، اما لو ادعاه بعد مائة سنة من وفاته ﷺ فانه لا يقبل ذلك منه كجماعة ادعوا الصحبة بعد ذلك كابى الاشج، ومكلمة بن ملكان ورتن الهندي فقد اجمع اهل الحديث على تكذيبهم و ذلك لما ثبت في الصحيحين من حديث ابن عمر رضي الله عنه قال: صلى بنا رسول الله ﷺ ذات ليلة صلاة العشاء في آخر حياته فلما سلم قام فقال: ((ارايتم الخ.....)) وكان اخباره ﷺ بذلك قبل موته بشهر. (التقييد والايضاح للعراقي، ص ۳۰۰)

شارح بخاری علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے مراد وہ امت ہے جو اس وقت روئے زمین پر تھی۔

رحمهم الله تعالى.

کیا بابا رتن ہندی صحابی ہیں؟

مذکورہ بالا حدیث اور اجماع محدثین کی وجہ سے علمائے کرام نے بابا رتن ہندی کو کذاب قرار دیا، اور ان کی حدیثوں کو اپنی اپنی موضوعات میں شمار کیا، ذیل میں کچھ مصنفوں کے نام ذکر کئے جاتے ہیں جنہوں نے اپنی موضوعات میں بابا رتن ہندی کو کذاب یا ان کی احادیث کو موضوع قرار دیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

امام صفغانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رتن ہندی کی حدیثیں موضوع ہیں۔

’وأحادیث رتن الہندی موضوعة‘. (موضوعات الصغانی، ص ۱)

ابوالحسن علی بن محمد کنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رتن ہندی وہ مشہور کذاب ہے، جس نے چھ سو سال کے بعد صحابی ہونے کا دعویٰ کیا۔

’رتن الہندی ذلک الکذاب المشہور ظہر بعد الستمانۃ فادعی الصحبۃ‘ (تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ لابن عراق، ج ۱ ص ۵۵)

فقیر العصر علامہ ملا علی قاری بابا رتن ہندی کی ایک حدیث ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ یہ رتنی موضوعات سے ہے۔

’من أعان تارک الصلاة بلقمة فکانما قتل الانبیاء کلہم. موضوع رتنی‘ (المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع لعلی القاری، ص ۱۶۱)

مزید برآں بابا رتن ہندی کیا تھا اور اس کی حدیثیں کس درجہ کی ہیں، یہ جاننے کے لئے ذیل میں ذکر کردہ محدثین کے مولفات کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے:

ذیل الموضوعات لجلال الدین السیوطی ص ۸۱، الفوائد المجموعۃ لمحمد بن علی الشوکانی، ج ۱ ص ۲۰۴، موضوعات الصغانی لابی الفضائل الحسن بن محمد بن الحسن القرشی، تنزیہ

کہ میں صحابی ہوں، اور اس کے اس دعویٰ کے صحیح ہونے کا امکان ہو تو اس کا صحابی ہونا تسلیم کر لیا جائے گا، لیکن اگر کسی نے ایسے وقت میں دعویٰ کیا جس میں اس کا صحابی ہونا ممکن ہی نہ ہو مثلاً کسی نے حضور ﷺ کے وفات کے بعد صحابی ہونے کا دعویٰ کیا تو حدیث: ((أرأیتکم لیتکم ہذہ)) کی وجہ سے اس کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔

أو قوله ’ہو‘ أنا صحابی ’اذا کان عدلاً‘ اذا أمکن ذلک فان ادعاه بعد مائة سنة من وفاته ﷺ فانه لا یقبل وان ثبتت عدالتہ قبل ذلک، لقوله ﷺ فی الحدیث: ((أرأیتکم لیتکم ہذہ)) فانه علی رأس مائة سنة لم یبق احد علی ظہر الأرض. یرید انحرام ذلک القرن. قال ذلک سنة وفاته ﷺ. (تدریب الراوی للسیوطی، ص ۴۸۱)

اور اگر مزید حدیث کی وضاحت چاہتے ہیں تو مندرجہ ذیل محدثین کرام کے اقوال کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

موضوعات الصغانی لابی الفضائل الحسن بن محمد بن الحسن القرشی الصغانی، ص ۳۱، تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ لابی الحسن علی بن محمد بن العراقی الكنانی، ج ۲ ص ۳۹، موضوعات الفتنی لمحمد طاہر بن علی الفتنی الہندی، ص ۱۰۴، کشف المشکل علی صحیح البخاری لابی الفرج ابن الجوزی ج ۱ ص ۱۱۷، کشف الخفاء لاسماعیل بن محمد الجراحی العجلونی، ج ۲ ص ۴۱۵، الشذ الفیاح من علوم ابن الصلاح لابراہیم بن موسی بن ایوب البرہان الابناسی، ج ۲ ص ۴۹۷، المفصل فی أصول التخریج لعلی بن نایف الشہود، ج ۲ ص ۵،

سند کو علمائے حدیث کے اقوال کی روشنی میں ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔
فقیر الی اللہ طالب حدیث، فضائل ہندی بعض روایتوں کی صحت سے متفق نہیں
ہے، ارادہ تو یہ تھا کہ اس پر تحقیق و دراستہ کرتا مگر امتحان قریب ہونے کی وجہ سے وقت
کی قلت دامن گیر ہے، ان شاء اللہ عزوجل اگر زندگی نے ساتھ دیا تو اس نیک کام کی
تکمیل ہوگی۔

أسأل الله أن يمنحنا الرشاد وأن يباعد بيننا وبين مواطن
الخطأ انه على ما يشاء قدیر وبا الاجابة جدید.

الشريعة المرفوعة لابی الحسن علی بن محمد بن العرقی الکنانی،
تذكرة الموضوعات لمحمد طاهر بن علی الفتنی الهندی، وغیرهم
رحمهم الله تعالیٰ.

کچھ چیزیں تنقیح طلب ہیں!

مولانا مقالہ نگار فرماتے ہیں:

(۱) امام ذہبی صاحب کے بارے میں تو اسماء الرجال کی بعض کتابوں میں یہ
مصرح ہے کہ جب ان کی جرح و تعدیل کے ساتھ کسی امام کی جرح و تعدیل ٹکرا
جائے تو اس کو ذہبی پر ترجیح دی جائے گی، یہ قول کس کا ہے اور کس کتاب میں ہے؟
(۲) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ حجاز سے باہر کب گئے، کیا
ان کے حجاز سے باہر وفات پانے سے یہ لازم آتا ہے کہ مذکورہ حدیث کے بیان کے
وقت وہ حجاز میں نہ رہے ہوں؟

(۳) مقالہ نگار نے قال قال رسول اللہ ﷺ کر کے رتن ہندی کی مرویات بغیر
تحقیق کئے بہت سی ایسی کتابوں کا حوالہ دیکر ذکر کیا ہے جس کے مصنفین نے ان کے
کذاب یا صحابی نہ ہونے کا قول کیا ہے، کیا اس طرح ذکر کرنا صحیح ہے؟

فائدہ: مقالہ کی عبارت ہے: 'و عنده علی أهل السنة تحمل
مفرط' تحمل، نہیں بلکہ تحمل ہے، چنانچہ محدث کبیر ابو عذہ حنفی عبارت کی تصحیح کے
بعد فرماتے ہیں: 'وقع فی طبعة الباسی: 'تحمل' وهو تحریف' (حاشیہ
قاعدۃ الجرح والتعدیل للسبکی من اربع رسائل فی علوم الحدیث ص ۴۳)

نوٹ: مقالہ نگار نے باب ارتن ہندی کی بعض مرویات اور ان سے اخذ حدیث
کرنے والوں کے محض اسما ذکر کرنے پر اکتفا کیا، چاہئے تو یہ تھا کہ جب وہ ایسے
شدید مختلف فیہ شخص کی مرویات ذکر کر رہے تھے تو مکمل سند بیان کرتے اور اتصال

- (١٣) الرفع والتكميل في الجرح والتعديل للكنزى، تحقيق: عبد الفتاح ابوغدة، مطبع: شركة دار البشائر الاسلامية، بيروت، لبنان -
- (١٤) سير اعلام النبلاء للذهبي، تحقيق: مامون الصاغري -
- (١٥) صحيح البخاري، مطبع: دار ابن كثير، بيروت -
- (١٦) طبقات الشافعية الكبرى للسبكي، تحقيق: محمود محمد الطحاني وعبد الفتاح عبد الحلو -
- (١٧) عمدة القاري شرح صحيح البخاري للنعيني -
- (١٨) فتح الباري لابن رجب -
- (١٩) فتح الباري بشرح صحيح البخاري للعسقلاني، مطبع: دار الحديث، مصر -
- (٢٠) فتح المغيبي شرح الفقيه الحديث للسخاوي، تحقيق: مجدي فتحي السيد، مطبع: المكتبة التوفيقية، مصر -
- (٢١) قاعدة في الجرح والتعديل لابن السبكي من اربع رسائل في علوم الحديث، تحقيق: عبد الفتاح ابوغدة، مطبع: شركة دار البشائر الاسلامية، بيروت، لبنان -
- (٢٢) قاعدة المورخين لابن السبكي من اربع رسائل في علوم الحديث، تحقيق: عبد الفتاح ابوغدة، مطبع: شركة دار البشائر الاسلامية، بيروت، لبنان -
- (٢٣) الكشف الحثيث عن رمى بوضع الحديث لابراهيم بن محمد ابن انجي الحلي، تحقيق: صبحي السامرائي، مطبع: مطبعة العاني، بغداد -
- (٢٤) المصنوع في معرفة الحديث الموضوع لعل القاري، تحقيق: عبد الفتاح ابوغدة، مطبع: شركة دار البشائر الاسلامية، بيروت -
- (٢٥) المنهاج للإمام النووي على صحيح مسلم -
- (٢٦) موضوعات الصغاني -
- (٢٧) ميزان الاعتدال للذهبي، تحقيق: علي محمد الجاوي، دار المعرفة، بيروت -
- (٢٨) نسب ومعناه، مطبع: مكتبة ابن سينا، مصر -

فهرست مراجع

- (١) الارشاد الى كيفية دراسة الاسناد لرضا زكريا -
- (٢) الاعلان بالتونج للسخاوي، تحقيق: فرانز روزنزال، مطبع: دار الباز للنشر، مكة المكرمة -
- (٣) البداية والنهاية لابن كثير، مطبع: مكتبة المعارف الميروت، الطبعة السادسة -
- (٤) البدر الطالع للشوكاني، مطبع: دار المعرفة، بيروت -
- (٥) تاريخ الاسلام للذهبي، تحقيق: عمر عبد السلام، مطبع: دار الكتب العربي -
- (٦) تدريب الراوي للسيوطي، تحقيق: محمد ايمن بن عبد الله الشمير اوى، مطبع: دار الحديث، مصر -
- (٧) التقييد والايضاح للعراقي، مطبع: المكتبة السلفية بالمدينة المنورة -
- (٨) تنزيه الشريعة المرفوعة لابن عراق، تحقيق: مجدي فتحي السيد، مطبع: المكتبة التوفيقية -
- (٩) حاشية قاعدة الجرح والتعديل لابن السبكي من اربع رسائل في علوم الحديث، تحقيق: عبد الفتاح ابوغدة، مطبع: شركة دار البشائر الاسلامية، بيروت، لبنان -
- (١٠) حاشية قاعدة المورخين لابن السبكي من اربع رسائل في علوم الحديث، تحقيق: عبد الفتاح ابوغدة، مطبع: شركة دار البشائر الاسلامية، بيروت، لبنان -
- (١١) ذكر من يعتمد قوله في الجرح والتعديل للذهبي من اربع رسائل في علوم الحديث، تحقيق: عبد الفتاح ابوغدة، مطبع: شركة دار البشائر الاسلامية -
- (١٢) ذيل طبقات الحفاظ للسيوطي، احياء التراث العربي -

اسناد : منشی، مولوی، عالم، کامل، عربی ڈپلومہ، از:
قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان۔

بیعت و خلافت : از: والد ماجد حضور فقیہ ملت علیہ الرحمہ والرضوان،
بتاریخ ۲۳ رجب النور ۱۴۲۲ھ مطابق ۲۰۰۱ء، ورکس
تحققین سید محمد مدنی اشرفی جیلانی دام ظلہ العالی،
بتاریخ ۲۹ رجب الثانی ۱۴۳۶ھ، مطابق ۱۹ فروری
۲۰۱۵ء۔

خادم افتا و تدریس: مرکز تربیت افتا، دارالعلوم امجدیہ اہل سنت
ارشاد العلوم اوجھا گنج بستی۔

بعض علمی کاوشیں: (۱) حدیث و علوم حدیث کے مختلف موضوعات پر
مقالے (۲) الاربعون فی الام الحون رماں چالیس احادیث کے آئینہ میں (۳) رفع
المنارة لتخرج احادیث التوسل والزیارة کا مکمل اردو میں ترجمہ (۴) کتاب النور و
الضیاء فی احکام بعض الاسماء کا عربی میں ترجمہ و تخریج، مصنف: امام الفقہا امام اعلیٰ
حضرت علیہ الرحمہ والرضوان (۵) کتاب اسما الاربعین فی شفاعت سید المحبوبین، کا
عربی میں ترجمہ و تخریج، مصنف: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ والرضوان (۶) امام نووی
شافعی رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب ریاض الصالحین کی شرح جاری ہے (۷) مناظر اہل
سنت علامہ حشمت علی علیہ الرحمہ کی کتاب راد المہند علی المفند، کا عربی میں ترجمہ،
آخر الذکر کتاب کی تحقیق و تخریج ابھی باقی ہے، ان شاء اللہ عن قریب اس کی تکمیل ہو
جائے گی۔

مقالہ نگار ایک نظر میں

نام : از ہار احمد امجدی مصباحی ازہری
ولدیت : فقیہ ملت الحاج الشاہ حافظ وقاری مفتی جلال
الدین احمد امجدی نور اللہ مرقدہ
تاریخ پیدائش : ۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۶ فروری
۱۹۸۳ء بروز بدھ۔
مولد و مسکن : مقام و پوسٹ اوجھا گنج ضلع بستی یوپی۔
مادران علم و ہنر : فیض الرسول براؤں شریف، سدھارتھ نگر،
مدرسہ امجدیہ اہل سنت ارشد العلوم اوجھا گنج،
دارالعلوم علمیمیہ جمدا شاہی، بستی، جامعہ امجدیہ
رضویہ گھوسی، مؤ، جامعہ اشرفیہ مبارکپور اعظم
گرڈھ، جامعہ ازہر شریف، قاہرہ، مصر۔
فراغت : بتاریخ ۱ جمادی الآخرة ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۸
جولائی ۲۰۰۵ء بروز جمعہ، از: جامعہ اشرفیہ
مبارکپور۔
دوسالہ مشق افتا : سراج الفقہا حضور مفتی محمد نظام الدین رضوی دام
ظلہ کی بارگاہ عالی میں رہ کر دوسالہ مشق افتا کی تکمیل،
جامعہ اشرفیہ، مبارکپور ۲۰۰۶ء تا ۲۰۰۷ء۔
تخصص فی الحدیث: (بی اے، ایم اے ۲۰۰۸ء تا ۲۰۱۴ء) جامعہ
ازہر شریف مصر۔